الایّام: مجلس برائے تحقیق اسلامی تاریخ وثقافت، کراچی		جلد:۳، شمارہ:۱، جنوری۔جون۲۰۱۲ء

اردو میں نسائی تحریک کا اولین ترجمان: ''معلّمِ نسواں''

ہندوستانی مسلم معاشرے میں ''پردہ'' کے موضوع پر علمی مباحث کا اولین منظر نامہ

مصنفہ: لوزیا ساوری / ترجمہ: محمد ذیشان اختر

During the late Nineteenth century, Urdu Novels and guide books subjected to a new discussion forum about behaviour and education of noble (Shareef) women. The reformers highly criticized the wasteful wealthy (navvaabi) lifestyle and tried to improve the word "noble" in its meaning. The terms "seclusion" and "veiling" were discussed under the title: "Pardah" along with discussions on the education, behaviour, personality, in-house customs and responsibilities of Indian women, with the sole aim of constructing the qualities of a noble woman in society. In Hyderabad, the female seclusion and their veiling were first discussed in an Urdu magazine, titled as "Muallim-e-Nisvan" (The Women's Teacher) between 1894 and 1900. Although the editor of the magazine, Muhibb Husayn, considered the custom of female seclusion a hurdle in their social progress, the magazine welcomed the writings of contemporary reformers opponent of the custom, as well as in its support. The present article presents a research on the ethnological, historical, theological, and satirical essays as well as articles on modesty and clothing codes for women which was discussed, compared and established in the magazine by Indian reformers in order to present the freedom granted to women in Islam. The analyzed research has been tried to in line with the modern social and cultural gender studies.

[زیرنظر مقالہ انگریزی زبان میں شائع ہونے والا تحقیقی مقالہ "Muslim Reformist Discourse on Women in Late 19th Century India: Discussions on Pardah in the Hyderabadi Urdu Magazine for Women Mu'allim-i Nisvan" کا اردو ترجمہ ہے جسے لوزیا ساورے (Luzia Savary) نے تحریر کیا ہے (بحوالہ: Cevenini & D'Onofrio (eds.) 'Uyun al Akhbar 4'. Syudi sul mondo islamico, Bologna: Dipartimento di Studi Linguistici e Orientali, Università di Bologna, Il Ponte: September 2010)۔ مصنفہ زیورخ (سوئٹزرلینڈ) میں واقع ''سوئس وفاقی درس گاہ برائے ٹیکنالوجی، زیورخ'' المعروف E T H Z (Eidgenössische Technische Hochschule Zürich) میں ''جدید دنیا کی تاریخ'' (Histroy of Modern World) سے وابستہ ہیں اور وہاں تحقیقی معاون اور ڈاکٹریٹ کی طالبہ ہیں۔]

انیسویں صدی کے اختتامی سالوں میں جنوبی ایشیا کے مسلمان اصلاح پسندوں کی ایسی تقاریر جو خواتین سے متعلق موضوعات پر لکھی گئیں، بالخصوص ''پردہ'' (یعنی خواتین کا چہرہ اور جسم کو چھپانے اور ان کی رہائش میں خلوت کا خیال رکھنے سے متعلق اصول وقوانین) کے موضوع پر تحریر کیے جانے والے مباحث جو اردو رسائل اور جرائد میں شائع ہوتے رہے، اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ معاشرے میں مذہبی کتابوں میں درج آفاقی قوانین اور معاشرتی روایات کی تشریح وتفسیر پیش کرنے میں تنوع کی غرض سے ذرائع اشاعت و طباعت نہایت اہمیت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ پردہ سے متعلق مختلف نظریات میں بہرحال فرق موجود تھا جو اپنی ایک ٹھوس حیثیت رکھتا تھا۔ اسے معاشرے کے طبقۂ اعلیٰ یعنی ''اشراف'' کی پہچان کا ایک اہم ذریعہ سمجھتے ہوئے اس دور کے اصلاح پسند افراد کی بڑی تعداد کی پرزور حمایت اگرچہ اس روایت کو برقرار رکھنے کے لیے کی جاتی تھی تاہم انیسویں صدی کے اختتامی سالوں

میں اس موضوع پر اٹھنے والی تنقیدی آوازوں کی ایک بہت بڑی تعداد پہلے سے موجود تھی۔ ان پہلے سے موجود آوازوں میں ایک بے باک اور صاف گو آواز محبّ حسین (۱۹۳۰ء-??۱۸ء) کی جانب سے بلند ہوئی۔ آپ حیدرآباد سے جاری ہونے والے اردو کے اوّلین رسالہ برائے خواتین ''معلّمِ نسواں'' کے ایڈیٹر تھے۔ ''معلّمِ نسواں'' اپنے عنوان کے مصداق خواتین کا استاد تھا۔ زیر بحث موضوع کے مختصر سے سیاق وسباق کے بعد زیرِنظر مقالہ میں ان آٹھ مضامین کا تحقیقی مطالعہ پیش کیا گیا ہے جو ۱۸۹۴ء سے لے کر ۱۹۰۰ء تک مذکورہ بالا حیدرآبادی رسالے میں ''پردہ'' کے موضوع پر شائع کیے گئے۔

خواتین کے موضوعات پر کی جانے والی مسلمان اصلاح پسندوں کی تحاریر و تقاریر اور ''پردہ'' کے موضوع پر کیے جانے والے مباحث:

انیسویں صدی کے اواخر کے ہندوستانی معاشرے میں شہری علاقوں میں آباد ذی فہم طبقاتِ اشرافیہ میں نئی تحاریک کے زیر اثر ایک ایسا طبقہ جنم لیتا ہوا نظر آیا جس کی تمام تر عملی کوششیں معاشرے اور تعلیم کے میدان میں خواتین کی اصلاح کے لیے مختص تھیں۔ ان اصلاح پسندوں کی جدوجہد اور عملی کوششوں کے پروان چڑھنے کا سیاق و سباق اگرچہ برطانوی نو آبادیاتی پس منظر کا حامل تھا تاہم یہ اصلاح پسندوں کی کاوشوں کا آغاز نہ تھا۔ مسلم متوسط طبقے کا ایک حصہ شاہی دربار کی ملازمت سے وابستہ رہ چکا تھا اور یہ مخلصانہ کاوشیں اسی افرادی حصے کے تبادل کو ظاہر کرنے کے ضمن میں کی گئی تھیں جو کہ اب متوسط طبقے کی ایسی شکل اختیار کر چکا تھا جو درباری چاکری کے بجائے خالصتاً پیشہ ورانہ مہارت اور افسر شاہی نوعیت کا حامل تھا۔ متوسط طبقے کا یہ افرادی حصہ اب یا تو برطانوی نو آبادیاتی نظامِ حکومت اور اس کے اداروں کے زیرِ اثر کام کر رہا تھا یا پھر اس حصے کے افراد ہندوستانی علاقوں میں قائم ہونے والے ''جدید'' مقامی اداروں میں کام کر رہے تھے جو انتظامی امور کے لحاظ سے نو آبادیاتی نظام سے آزاد تھے۔ سماجی و اقتصادی طور پر وقوع پذیر ہونے والی یہ تبدیلی، طبقاتی شناخت میں تبدیلی کی جانب واضح اشارہ کر رہی تھی۔ اس ذی شان اور ذی افتخار طبقے کا یہ حصہ خود کو ''شریف'' (جمع: اشرافیہ) کی اصطلاح سے ظاہر کرتا تھا لیکن یہ اصطلاح ماضی کی روایتوں سے نکل کر معنوی تبدیلیوں کے نئے اور گہرے بادلوں میں چلی گئی تھی۔ اپنی معاشرتی حیثیت اور اہمیت ظاہر کرنے کے لیے مغلیہ دور کے نواب حضرات نمود و

نمائش کے بناوٹی طریقوں کا سہارا لیتے تھے جو یا تو شاہ خرچی کے مظاہرے ہوتے تھے یا پھر فارسی اور اردو زبانوں کی ادبی روایات کو فروغ دینے کی نمائش پر مبنی ہوتے تھے۔ ''اشراف'' کی نئی نسل نے اس فضول نوابی طرزِ زندگی پر کڑی تنقید کی۔ اس نئی نسل کی نظر میں ''شریف'' ہونے کی علامات میں جو ان نمائشی طریقوں سے قطعی مختلف تھیں، قلیل آمدنی اور ناکافی وسائل میں گھر کا خرچ خوش انتظامی اور کفایت شعاری سے چلانا، تعلیم برائے اصلاح کا حصول اور مذہبی لحاظ سے شخصیت و خیالات میں پاکیزگی (جو اسلامی صحائف کے عین مطابق ہوں) کا موجود ہونا وغیرہ شامل تھے۔ گھر کی معاشی حالت اور اولاد کی تعلیم و تربیت میں گھر کی خواتین کا کردار چونکہ نہایت اہمیت کا حامل ہوتا ہے، اسی لیے یہ موضوع اصلاح پسندوں کی تحاریر و تقاریر کا بنیادی موضوع بن چکا تھا اور ابتدائی اشاعتوں میں ان مباحث میں جن لوگوں نے حصہ لیا ان میں زیادہ تر مرد حضرات ہی تھے۔ ''زنانہ'' یعنی گھر میں خواتین کا رہائشی حصہ جو روایتی طور طریقوں کے مطابق اندرونی اور انتظامی لحاظ سے بہت حد تک مردوں کے اختیار میں نہ تھا، وہاں عموماً خواتین بہت سی فضول رسوم و روایات کو نہ صرف اپنائے ہوئے تھیں بلکہ ان غیر اسلامی روایات کی بجا آوری بھی جاری رکھے ہوئے تھیں جو اصلاح پسندوں کی نظر میں ''شریف'' خاندان کے معیار پر کسی طور سے پورا نہیں اترتی تھیں اور اسی لیے یہ تبدیلی اور درستگی کی متقاضی تھیں۔ نتیجتاً انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں اردو ناولوں اور علاقائی تعارفی کتابوں کی ایک نئی لہر نے جنم لیا جن میں موضوعاتی لحاظ سے مباحث کی نوعیت ایسی تھی کہ شریف خواتین کی تعلیم و تربیت کس طرز پر کی جانی چاہیے، ان کے مطالعے میں کس نوعیت کی چیزیں شامل ہونی چاہییں، انھیں گفتگو کس طرح کرنی چاہیے، نیز لباس کا انتخاب، گھر داری، اولاد کی تربیت اور دینی ذمہ داریاں کس طرح نبھانی چاہییں۔ ۱۸۸۰ء اور اس کے بعد آنے والے سالوں میں ان مباحث میں حصہ لینے والے خواتین و حضرات نے خواتین کے لیے اردو کا پہلا رسالہ جاری کیا۔ ''شریف'' خواتین کی ایک بڑی تعداد اس رسالے کی خریدار بن گئی جنھوں نے اس رسالے میں قلمی طور پر بھی حصہ لیا۔

خواتین سے متعلق مختلف موضوعات پر تحاریر و تقاریر میں ''پردہ'' (یعنی خواتین کا چہرہ اور جسم کو چھپانے اور ان کی رہائش میں خلوت کا خیال رکھنے سے متعلق اصول و قوانین) سے متعلق موضوعات پر کیے جانے والے مباحث خصوصی اہمیت کے حامل تھے۔ اس دور میں ''پردہ'' کا اہتمام صرف متوسط

طبقے یا اعلیٰ طبقے کی خواتین میں رائج تھا جو مسلم خواتین کے آغازِ بلوغت سے لازم ہو جاتا تھا جس کی رو سے یہ لازم تھا کہ پردہ دار خواتین اپنے خونی رشتوں کے علاوہ دوسرے بالغ مردوں کے سامنے ہرگز نہ آئیں اور نہ ہی گھل مل کر ان کی محفل میں بیٹھیں جس سے ان کے خاندانی وقار اور احترام کی پاسداری ہو سکے۔ [۱] اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ مثالی نقطۂ نظر کے مطابق آغازِ بلوغت کے بعد شریف خواتین شاذ و نادر ہی گھر سے باہر قدم نکالا کرتیں اور جب بھی اس کی ضرورت پیش آتی تو وہ اپنے وجود کو مکمل طور پر چھپا لیتیں۔

۱۸۵۷ء سے قبل اور بعد میں آنے والی نسل میں بے شمار نامور خواتین و حضرات جنھوں نے خواتین کی تعلیم اور ان کی اصلاح کے سلسلے میں شہرت حاصل کی، [۲] ''پردہ'' کے حمایتی تھے اور اسے شریف نسل سے تعلق رکھنے کی اہم اور بنیادی نشانی سمجھتے تھے۔ ایسے ہی خیالات رکھنے والوں میں مشہور ناول نگار اور معلّم' نذیر احمد (۱۸۳۰ء-۱۹۱۲ء)، [۳] سلطان جہاں بیگم (۱۸۵۸ء- ۱۹۳۰ء)- حکمرن شاہی ریاستِ بھوپال [۴] اور محمدی بیگم (۱۸۷۸ء- ۱۹۰۸ء)- ایڈیٹر رسالہ ''تہذیب النّسواں'' برائے خواتین [۵] کے نام شامل ہیں۔ موخر الذکر دونوں خواتین یقیناً خود بھی پردہ کا اہتمام کیا کرتی تھیں۔ دیگر افراد میں مثلاً مشہور روایت پسند دیوبندی عالم اشرف علی تھانوی (۱۹۴۳ء-۱۸۶۴ء) نے جو راہ نمائی کی مشہور کتاب ''بہشتی زیور'' کے مصنف بھی ہیں، نہایت سختی کے ساتھ پردہ کے اہتمام پر زور دیا ہے اور اس بات پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے کہ بالخصوص خاندانی میل جول کے مواقع پر مثلاً شادی بیاہ کی تقریبات وغیرہ میں مرد اور خواتین اکثر اوقات پردہ کے قوانین کو نظر انداز کر دیتے ہیں (منکاف، ۱۹۹۰ء، ص۱۱۲-۱۱۱؛ ۱۲۶-۱۲۲)۔ تاہم انیسویں صدی کے اواخر میں پردہ کی مخالفت میں بھی خاصی تعداد میں آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ ان میں سب سے پہلی شخصیت جس کا ذکر یہاں ضروری ہے کیوں کہ وہ محبّ حسین کے رفیق بھی تھے اور ''معلّمِ نسواں'' کے باقاعدہ لکھاری بھی تھے، وہ لکھنؤ کے نامور مضمون نگار اور مورخ عبد الحلیم شرر (۱۹۲۶ء- ۱۸۶۹ء) ہیں۔ [۶] پردہ کی روایت پر تنقید کے سلسلے میں دوسرا بڑا نام سید ممتاز علی کا آتا ہے جو محمدی بیگم (جن کا ذکر بالائی سطور میں آچکا ہے) کے شوہر تھے۔ ایک دینی نوعیت کے رسالے ''حقوق النّسواں'' کے مطالعے سے ان کے خیالات کا پتہ لگایا جاسکتا ہے جو ۱۸۹۸ء میں منظر عام پر آیا اور یہ وہی سال ہے جس میں ان کی بیوی نے ''تہذیب النّسواں'' کی

اشاعت شروع کی۔ گایل مینالٹ کی تحقیق کے مطالعے سے بھی اگرچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ممتاز علی اپنے رسالہ میں خواتین کے لیے پردہ کا اہتمام کرنے کے موضوع پر کسی نتیجہ خیز تنقید کو فروغ دینے کے متقاضی نہ تھے۔ ۷ پردہ کی ایک اور مخالف شخصیت بدر الدین تیاب جی (۱۹۰۶ء-۱۸۴۴) تھے جو بمبئی (موجودہ شہر ممبئی) کے سلیمانی بوہرہ اسماعیلی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور اس شہر کے پہلے ہندوستانی چیف جسٹس بھی تھے جنھوں نے اپنے خیالات کا اظہار ۱۹۰۸ء میں منعقد ہونے والی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں کیا تھا۔ تیاب جی خاندان کی دو دانش مند خواتین، زہرا اور عالیہ تیاب جی جو عورتوں کے حقوق کی پر زور حمایت کے سلسلے میں کافی شہرت رکھتی تھیں، ان ابتدائی خواتین میں شامل تھیں جو پردہ سے باہر نکلیں یعنی انھوں نے اس صدی میں پردہ کا اہتمام کرنے سے انکار کیا۔ ۸ پردہ کی روایت پر تنقید کے حوالے سے ایک اور نام بنگال کے پہلے ہائی کورٹ جج سید امیر علی (۱۹۲۸ء- ۱۸۴۹ء) کا ملتا ہے جن کا اندازِ بیان اپنے ہم عصروں کی کڑی نکتہ چینی کے بعد میانہ روی اور اعتدال کی شاہ راہ پر آ گیا تھا۔

محبّ حسین اور ''معلّمِ نسواں'':

محبّ حسین جو ''معلّمِ نسواں'' کے ایڈیٹر تھے، رائج الوقت پردہ کی روایت کی مخالفت کے اظہار میں نہایت بے خوفی کا مظاہرہ کرتے تھے اور اس سلسلہ میں اپنے نظریہ کے فروغ کے لیے بہت متحرک تھے۔ وہ خواتین کو گوشہ نشین کرنے کی روایت کی حوصلہ شکنی کو سماجی ترقی کی راہ ہموار کرنے کے لیے لازمی جز خیال کرتے تھے، تاہم انھوں نے اپنے رسالے میں اپنے اس نقطۂ نظر کو کبھی بھی شدت سے یا تسلسل کے ساتھ نہیں دہرایا۔ ۱۰

اس دور کے خواتین کے اردو زبان میں دیگر رسائل مثلاً لاہور سے شائع ہونے والا رسالہ ''تہذیبِ نسواں'' (۱۸۹۸ء)، دہلی سے نکلنے والا رسالہ ''عصمت'' (۱۹۰۶ء) اور علی گڑھ سے شائع ہونے والا رسالہ ''خاتون'' (۱۹۰۶ء) کا تفصیلی تجزیہ پیش کیا جا چکا ہے (مینالٹ، ۱۹۹۸ء- الف، ص ۱۱۰-۱۴۸؛ مینالٹ، ۱۹۹۸ء- ب، ص ۲۰۱-۲۱۴؛ مینالٹ، ۱۹۹۲ء، ص ۱۷۹-۱۹۹؛ مینالٹ، ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۹-۱۳۶؛ مینالٹ ۱۹۸۸ء، ص ۲-۹؛ پرناؤ، ۲۰۰۸، ص ۳۰۳-۳۰۸) لیکن انگریزی زبان میں ''معلّمِ نسواں'' پر کیا جانے والی عالمانہ تحقیق محض چند صفحات تک ہی محدود ہے (پرناؤ، ۲۰۰۲ء، ص

۴۲-۴۴؛ مینالٹ ۱۹۹۸ء-الف، ص ۱۰۷-۱۱۰)۔ زیرِ نظر مقالہ میں مصنفہ کا مقصد ان آٹھ مضامین کا تحقیقی مطالعہ پیش کرنا ہے جو پردہ کے موضوع پر ۱۸۹۴ء سے لے کر ۱۹۰۰ء تک کے عرصے میں ''معلّمِ نسواں'' کے سات شماروں میں شائع ہوئے۔ [۱۱] مذکورہ تحقیقی مطالعہ پیش کرنے سے قبل مصنفہ مختصراً اس رسالہ کے ایڈیٹر کے نقطۂ نظر اور رسالہ کے اہم موضوعات پیش کرنا چاہتی ہیں۔

محبّ حسین المعروف بہ ''خادم النّسواں'' جیسا کہ وہ اپنے اکثر مضامین اسی قلمی نام سے لکھا کرتے تھے، ۱۸۷۰ء میں شمالی ہندوستان (غالباً: اناوہ، اتر پردیش) سے ہجرت کر کے حیدرآباد آ گئے تھے اور ملازمت کے خواہش مند اعلیٰ طبقہ کے مسلمانوں کی طرح نظام کے دربار میں ملازمت کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ [۱۲] حیدرآباد میں سکونت اختیار کرنے کے بعد انھوں نے محکمۂ محصولات میں بطور مترجم کام کیا جہاں انھیں سید مہدی علی المعروف محسن الملک کی سربراہی کی شکل میں ایک مفید صحبت میسر آئی جو خود بھی اناوہ (اتر پردیش) سے تعلق رکھتے تھے۔ ''معلّمِ نسواں'' کے علاوہ انھوں نے ایک اور ادبی اور سیاسی نوعیت کا ماہ نامہ جریدہ ''معلّمِ شفیق'' مرتب کر کے شائع کیا تھا (یہ جریدہ ۱۸۸۴ء کے بعد ہفت روزہ میں بدل گیا تھا) جو مکمل طور پر عوامی سطح پر بدنامی کا شکار ہو گیا تھا کیوں کہ دسمبر ۱۸۸۰ء سے اکتوبر ۱۸۸۱ء تک اس میں بابائے بینِ اسلام اِزم، جمال الدین افغانی کے چھ مضامین شائع ہوئے۔ ان مضامین میں جو موخرالذکر رسالے میں شائع ہوئے، سرسید احمد خان اور ان کی علی گڑھ تحریک کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ [۱۳] محبّ حسین کا یہ طرزِ عمل نہایت بے باکی کا مظاہرہ تھا کیوں کہ ان کے ادارے کے مالک نواب محسن الملک، علی گڑھ تحریک کے نہایت سرگرم کارکن تھے۔ [۱۴]

محبّ حسین نے پردہ کی مخالفت کی غرض سے اپنے قلم کے ذریعے کیے گئے تابڑ توڑ حملوں میں نہایت جرات مندی کا مظاہرہ کیا۔ ان کے شائع کردہ خواتین کے ماہ نامہ کے تقریباً ہر شمارے میں کم از کم ایک مضمون ایسا ضرور شامل ہوتا تھا جو اس روایت پر بحث اور تنقید کے لیے لکھا جاتا تھا۔ کچھ مضامین ایسے تھے جن میں نہایت شدید نوعیت کے اعتراضات اٹھائے گئے تھے۔ ۱۹۰۰ء اور ۱۹۰۱ء کے درمیانی عرصے میں ان پر حیدرآبادی حکومت کی جانب سے جرمانہ عائد کیا گیا اور آخر کار انھیں اپنے رسالے کا اجرا بند کرنا پڑا۔ رسالے کی اشاعت کی بندش کا حکم ایک مضمون کی اشاعت کے بعد ہونے والے ردِ عمل کے طور پر جاری کیا گیا تھا جس میں محبّ حسین نے اسلامی پردہ کی روایت کا موازنہ قدیم

یونانیوں کے مشہور لباس "Chastity Belt" سے کیا تھا جو یونانی خواتین کے لیے خاص طور سے ایسی طرز پر تیار کیا جاتا تھا جو مرد اور عورت کے مابین جنسی فعل میں مانع ہوتا تھا۔ ۱۵ مزید برآں مینالٹ نے اس پہلو کی جانب توجہ دلائی ہے کہ اس واقعہ کے بعد ان کے مربی محسن الملک حیدرآباد چھوڑ کر علی گڑھ چلے گئے تھے (مینالٹ، ۱۹۹۸ -الف، ص ۱۱۰)۔ محبّ حسین کی سوانح عمری کے نایاب ماخذات کے مطابق محبّ حسین نے اس رسالے کی بندش کے بعد اپنے روز و شب بڑی حد تک صوفی ازم اور شاعری کے لیے وقف کر دیے تھے (APSC، ۱۹۵۶ء ص ۱۷۰)۔

پردہ کے متعلق اپنے منتخب کردہ مضامین کو بحث میں شامل کرنے سے قبل مصنفہ ''معلّمِ نسواں'' کے مزید موضوعات کو مختصراً بیان کرنا چاہتی ہیں۔ ہر ماہانہ شمارے کا آغاز شاعری کے ایک فن پارے سے ہوتا تھا جسے عموماً محبّ حسین خود ہی لکھا کرتے تھے جس میں خواتین کی تعلیم اور اصلاح کی ضرورت کو اجاگر کرنا مقصود ہوتا تھا۔ تقریباً ہر شمارے میں ایڈیٹر اور اس دور کے مشہور مصنفین مثلاً شرر وغیرہ کے قلم سے تحریر کی جانے والی فرضی کہانیاں اور قصے بھی شامل ہوتے تھے۔ زیادہ تر مضامین خواتین کی تعلیم اور معاشرتی اقدار کے لحاظ سے ہندو اور مسلمان دونوں طبقات کی خواتین میں رائج معاشرتی روایات سے متعلق ہوتے تھے جو مدلل مباحثی مضامین یا اس موضوع سے متعلق تازہ ترین خبروں کی قلم بندی کر کے شائع کیے جاتے تھے۔ پردہ کے علاوہ جن دیگر معاشرتی روایات پر تنقید کی جاتی تھی ان میں ''شریف گھرانوں میں گھریلو معاملات میں فضول خرچی''، ''لڑکیوں کی پیدائش پر ان کے قتل کرنے کی ظالمانہ روایت'' اور ''بیواؤں کی معاشرتی حیثیت'' جیسے موضوعات شامل تھے۔ ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک کی خواتین کے رسوم و رواج کے موضوعات مثلاً ''تبت کی خواتین'' یا ''ایتھوپیا کی خواتین'' وغیرہ اور دیگر اقوام کا مختصراً نسلی و جغرافیائی تعارف کے حامل مضامین مثلاً ''کافرستان کے جشن'' یا ''ملک چین کی بری رسمیں'' اس جریدے میں تواتر سے شائع ہوتے تھے۔ ۱۶ تقریباً اسی تواتر کے ساتھ ایسے مضامین بھی شامل ہوتے تھے جن میں ماضی اور حال کی عورت کا فرق بیان کیا جاتا تھا۔ اس ضمن میں شرر نے ایک مضمون ''پامیر کی ملکہ زینو بیاہ'' کے عنوان سے تحریر کیا، نیز خلیفہ حضرت عمرؓ کی بہن حضرت فاطمہؓ بنت خطاب کے حالات زندگی محبّ حسین نے ایک مضمون میں بیان کیے۔ ۱۷ اس دور کی دو عظیم خواتین، ملکۂ چین ڈواگر چکزی اور ملکۂ وکٹوریہ کے حالاتِ زندگی کا مفصل بیان مضامین کی شکل میں

(بالترتیب ''والدۂ شہنشاہِ چین'' اور ''حضرت قیصرِ ہند ملکۂ وکٹوریہ کے اخلاق'') پیش کیا گیا۔ [18]

''معلّمِ نسواں'' کے شماروں کا تنقیدی مطالعہ کرنے کے بعد ان مضامین میں جس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے وہ خواتین کے گھریلو زندگی سے متعلق قابلِ عمل مشوروں پر مشتمل کوئی کالم یا مضمون کا موجود یا مختص نہ ہونا ہے مثلاً گھر داری میں کفایت شعاری پیدا کرنے کی تجاویز، لذیذ کھانوں کی تیاری کی تراکیب یا ''سوتیلی ماں کے ساتھ کیسا سلوک رکھا جائے؟'' کے متعلق تجاویز جو اردو زبان میں شائع ہونے والے خواتین کے دو اہم ترین رسالوں ''تہذیب النسواں'' اور ''عصمت'' کا موضوعِ خاص رہا، وغیرہ۔ گھریلو خواتین کے بارے میں کسی کالم کا نہ ہونا یا اس موضوع کو مکمل طور پر نظر انداز کرنے کا سبب کس طرح بیان کیا جا سکتا ہے؟ ایک وجہ تو یہ ممکن ہے کہ محبّ حسین نے دانستہ طور پر اپنی ترجیحات کو کسی دوسری جگہ کے لیے بھی مختص کر رکھا تھا۔ دوسری ممکنہ وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ''معلّمِ نسواں'' میں خصوصیت کے ساتھ مرد مصنفین لکھا کرتے تھے جس کے نتیجہ میں یہ صورت پیدا ہوئی۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ مرد حضرات گھر داری کے متعلق مضامین نہیں لکھتے تھے۔ گھریلو سے متعلق مباحثے مردوں نے ہی لکھنا شروع کیے جیسے کہ دو مصنفین، اوّل بابائے اصلاحِ نسواں نذیر احمد اور دوم الطاف حسین حالی (۱۸۳۷ء- ۱۹۱۴ء) کی تحریروں نے خاطر خواہ طریقے سے اس موضوع کا باب کھولا۔ [19] تاہم ''تہذیب النسواں'' اور ''عصمت'' میں گھر داری سے متعلق تحریریں اور سوالات و جوابات کا سلسلہ خواتین کے درمیان ہی ہوتا تھا، یعنی ''تہذیب النسواں'' میں رسالے کی خاتون ایڈیٹر (محمدی بیگم) اور قارئین کے درمیان جب کہ ''عصمت'' میں یہ سلسلہ صرف قارئین کے درمیان ہی چلتا تھا۔ [20] خواتین کے سوالات و جوابات اور موضوعاتی بحث کا سلسلہ بعنوان ''تہذیبی بہنیں'' جیسے خواتین کے کسی مشاورتی سلسلہ کے قیام کے لیے ''معلّمِ نسواں'' کی ادبی حیات بہت مختصر تھی۔ خواتین قارئین کی جانب سے رسالے کے لیے لکھی جانے والی تحریروں کا تناسب انتہائی کم ہونے کی وجہ سے ''معلّمِ نسواں'' کو مکمل طور پر ''خواتین کا رسالہ'' کے بجائے ''خواتین کے لیے، خواتین سے متعلق رسالہ'' قرار دینا زیادہ مناسب ہے۔

''پردہ'' کے موضوع پر تحریر کیے جانے والے مضامین:

مذکورہ عنوان کے تحت مصنفہ اس رسالے کے اُن مضامین پر روشنی ڈالنا چاہتی ہیں جو خواتین

کا چہرہ اور جسم کو چھپانے اور ان کی رہائش میں خلوت ملحوظ رکھنے [ایک طرح سے اسے نظر بندی کہا جاسکتا ہے کہ گھر کی عورت کسی غیر مرد کے سامنے نہ آئے اور اپنی زندگی کا کثیر حصہ گھر کی چار دیواری میں رہتے ہوئے گزار دے] سے متعلق تحریر کیے گئے تھے۔ اپنے ذاتی نقطۂ نظر کی اشاعت کے ساتھ ساتھ محبّ حسین نے اس دور کے دیگر ہم خیال لوگوں کی تحریریں بھی اس رسالہ میں شامل کی تھیں تاکہ مختلف پہلوؤں سے اس مسئلے پر روشنی ڈالی جا سکے۔ زیرِ نظر تحقیقی مطالعہ میں شامل آٹھ مضامین میں سے صرف دو محبّ حسین کے نام سے شائع کیے گئے۔ ایک مضمون مشہور ہندوستانی مصلح، مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء-۱۹۱۴ء) [۲۱] کے نوکِ قلم سے تحریر کیا گیا۔ دو مضامین نسبتاً کم معروف مصنفین، مولوی عزیز مرزا اور مولوی احمد عباسی چڑیا کوٹی [۲۲] نے تحریر کیے۔ بقیہ تین مضامین دو مصنفین نے قلمی (یا فرضی) ناموں سے تحریر کیے جن کی شخصیت کے بارے میں موضوعاتی ترتیب کے لحاظ سے اگلی سطور میں ذکر آئے گا۔ تحقیقی مطالعہ پیش کرنے میں سہولت کی غرض سے مصنفہ نے اپنے منتخب کردہ مضامین کو ان کے اسلوب اور موضوعاتی بحث کے اعتبار سے درج ذیل چار عنوانات میں تقسیم کیا ہے: [۲۳]

۱) دینی مضامین۔

۲) طنزیہ مضامین۔

۳) عفت وعصمت اور لباس کے انتخاب یعنی پہننے اوڑھنے کے معیار سے متعلق مضامین۔

۴) نسلیاتی اور تاریخی مضامین۔

۱) پردہ اور شریعت: دینی مباحثہ:

دینی نقطۂ نظر سے دو مضامین میں مذکورہ عنوان کے حامل اس پہلے مسئلہ پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے جن میں سے ایک مضمون محبّ حسین نے جب کہ دوسرا مولوی احمد عباسی چڑیا کوٹی نے تحریر کیا۔ [۲۴] دونوں مصنفین نے پردہ کی ایک قطعی مختلف تشریح پیش کرنے کے لیے، نیز اس ضمن میں عقلی دلائل پیش کرنے کے لیے اسلامی قوانین کے دو بڑے ماخذات، قرآن اور سنت کا سہارا لیا۔ محبّ حسین کے تحریر کردہ مضمون بعنوان ''موجودہ پردہ شرعی پردہ نہیں'' ان کے نقطۂ نظر کی مقصدیت کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ محبّ حسین (اور ان کے رفقا) نے لفظ ''پردہ'' کا استعمال مکمل طور پر ترک نہیں کیا تھا بلکہ معنوی اعتبار سے اسے نیا پیرہن دینے کی سعی کی تھی جسے بعد میں انھوں نے اسلامی

قوانین کے ماخذات سے حاصل ہونے والے ثبوتوں اور دلائل سے مضبوط کرنے کی کوشش کی۔ ۲۵ محبّ حسین نے اپنے مضمون کا آغاز قرآن کی چوبیسویں سورۃ کی آیت نمبر ۳۰-۳۱ سے کیا جو خواتین کی عفت و پاکیزگی سے متعلق نہایت اہم بیان کی حامل ہے اور جس میں محبّ حسین کے خیال کے مطابق پردے کی اصل روح کا بیان شامل ہے۔ ۲۶ انھوں نے غور کیا کہ ان آیات میں کہیں بھی ایسی بات بیان نہیں کی گئی ہے کہ خواتین کو ان کے گھروں میں نظر بند کر کے رکھنا چاہیے۔ انھوں نے لکھا:

> ''اگر خدا یہ چاہتا کہ پردہ کے ذریعہ خواتین کو ان کے گھروں میں نظر بند کر دیا جائے اور ان کے لیے گھروں سے باہر نکلنے کی ممانعت ہو تو اس کا حکم اسی طرح ہوتا، یہ کہنا تو نہایت گھٹیا ہے کہ خدا بھول جاتا ہے۔ اگر مرد اور خواتین کو ہمیشہ ایک دوسرے سے دور رکھنا مقصود ہوتا کہ وہ کبھی گھل مل نہ سکیں تو انھیں اپنی نظریں نیچی کرنے کی ضرورت کیوں کر ہوتی؟ نظر بند خواتین کبھی غیر مرد کو نہیں دیکھ سکتی ہیں۔ نظریں نیچی رکھنے کا حکم صرف اسی صورت میں عقل تسلیم کر سکتی ہے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ معاشرے میں مرد اور خواتین ایک دوسرے سے گھلتے ملتے ہیں۔ اس مفروضہ کے بغیر یہ حکم قطعی نا قابلِ فہم اور نا قابلِ عمل ہے۔'' ۲۷

مضمون نگار نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ قرآن خواتین سے واحد یہ تقاضہ کرتا ہے کہ جب وہ مجمع میں ہوں تو اپنے جسم کو اس طرح لباس میں ڈھانک لیں کہ صرف ان کا چہرہ اور ہاتھ نظر آسکیں۔ اس تشریح کی دلیل پیش کرنے کے لیے انھوں نے اس مشہور حدیث کا حوالہ تحریر کیا جو کئی مرتبہ اس متن میں قابلِ توجہ رہی۔ جب اوّل خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکرؓ کی صاحب زادی حضرت اسماؓ نہایت باریک کپڑا زیب تن کیے پیغمبر ﷺ کے سامنے آئیں تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: ''جب لڑکی بالغ ہو جائے تو جب وہ مجمع میں آئے تو سوائے یہاں اور یہاں کے اس کا جسم مکمل طور پر ڈھکا ہونا چاہیے'' (حسین، ۱۸۹۴ء الف، ص ۳۷)۔ محبّ حسین نے اپنے مضمون میں اس بات کو شامل کیا کہ درج بالا جملہ ادا کرنے کے بعد پیغمبر ﷺ نے چہرے اور ہاتھوں کی جانب اشارہ کیا۔ ۲۸

دوسرا مضمون بعنوان ''چہرہ اور ہاتھ داخلِ ستر نہیں'' کا موضوع مکمل طور پر خواتین سے متعلق تھا جسے مولوی احمد عباسی چڑیا کوٹی نے تحریر کیا۔ اپنے اس نقطۂ نظر کی تائید کے لیے کہ اسلامی قانون خواتین سے اس بات کا تقاضہ نہیں کرتا کہ وہ ہر وقت اپنا چہرہ اور ہاتھ ڈھانک کر رکھیں، مصنف نے

ماضی اور حال کے معروف مسلم دانشوروں کے فرمودات کو مرتب کیا۔ پھر انھوں نے مضمون کی موضوعاتی بحث کو وسیع کیا اور خواتین کے بناؤ سنگھار کی اشیا مثلاً انگوٹھی، پازیب اور مہندی وغیرہ سے متعلق لکھا اور موضوعاتی لحاظ سے درجہ بہ درجہ اس بات پر روشنی ڈالی کہ کس چیز کو ظاہر کرنا اور کس کو نہیں کرنا چاہیے (عباسی چڑیا کوٹی، ۱۸۹۶ء، ص۳-۴)۔

محبّ حسین کا تحریر کردہ مضمون کسی حد تک اس سوال کے دائرے تک بھی جا پہنچتا ہے کہ جسم کو ڈھانکنے کی روایت کس طرح قائم ہوئی۔ ان کے پیش کردہ نظریہ کے مطابق دورِ جاہلیت (اسلام سے قبل کا زمانہ) میں خواتین اپنے سینے پر اوڑھنی ڈالے نہیں رکھتی تھیں (حسین، ۱۸۹۴ء الف، ص ۳۵)۔ اس بے حیائی کی طرزِ معاشرت کے خاتمہ کے لیے پیغمبر ﷺ نے لباس پہننے اور تن پوشی کے نئے اصول وضع کیے۔ محبّ حسین کا تحریر کردہ یہ بیان ان کے اور ان کے رفقا کے نقطۂ نظر کے دوسرے حصے سے متعلق ہے کہ جب انھوں نے یہ ثابت کیا کہ اسلامی قوانین کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ خواتین کو ان کے گھروں میں نظر بند کر دیا جائے، لہٰذا انھوں نے اس بات کی کوشش کی تن پوشی کے نئے ضوابط وضع کیے جائیں کیوں کہ خواتین کو معاشرتی زندگی میں حصہ لینے کی اجازت حاصل ہے۔ زیرِ نظر مقالہ کے اگلے حصے میں اس مسئلہ پر تحریر کردہ دو مضامین پر روشنی ڈالی جائے گی۔

۲) مہذب لباس پہننے اوڑھنے کے قواعد وضوابط وضع کرنا:

۱۸۹۵ء میں دو مضامین جن کے موضوع کا تعلق اس سوال سے تھا کہ خواتین کو گھروں کے اندر رہتے اور باہر نکلتے وقت کیسا لباس پہننے کی ضرورت ہے، منظرِ عام پر آئے جن میں سے ایک مضمون کسی مصنف نے ''آزاد خیال'' کے قلمی نام سے تحریر کیا تھا۔ ایک مضمون ''پردہ اور اس کے نتائج'' [۲۹] کے عنوان سے لکھا گیا جب کہ دوسرے مضمون کا عنوان ''ہماری عورتوں کا لباس'' [۳۰] تھا۔ دونوں مضامین میں اس نظریے کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ پردہ کے سخت قوانین رائج ہونے کے باعث خواتین گھروں کے اندر رہ کر حیا داری کے منافی اور غیر مہذب لباس پہنتی ہیں اور ساتھ ہی برتاؤ میں بے شرم و حیا کا دامن چھوڑ دیتی ہیں۔ [۳۱] دونوں مصنفین کے مطابق پردہ کی رائج الوقت روایت کا خاتمہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب خواتین کی عادات و اطوار میں بنیادی تبدیلی عمل میں آئے گی۔ انھوں نے لکھا: ''جب تک ان کا لباس پہننے اوڑھنے کے قوانین اور برتاؤ کے ضابطے تبدیل نہیں کیے

جائیں گے تب تک خواتین اپنے مکانوں سے ایک قدم باہر نہیں نکال سکتیں اور اس نعمت سے خوشی حاصل نہیں کرسکتیں جو آزادی کی شکل میں اسلام نے انھیں عطا کی ہے۔'' (خیال، ۱۸۹۵ء الف، ص۱۹)۔

آزاد خیال نے اپنی تحریر میں مزید شامل کرتے ہوئے لکھا کہ بالخصوص شادی بیاہ اور دیگر خاندانی تقریبات کے موقعوں پر اس بات کا میلان پایا جاتا ہے کہ غیر خاندان کے مردوں کو زنان خانے میں داخل ہونے کی اجازت ہوتی ہے۔ خواتین سے پورے جسم کو مکمل طور پر ڈھانکنے پر اصرار کرنے کے بجائے (یعنی اسلامی قوانین کے وضع کردہ طریقے کے مطابق کہ خواتین اپنے ہاتھ اور چہرے کے علاوہ پورے جسم کو ڈھانکیں) ہندوستانی مسلمان سب سے پہلے تو خواتین کو گھر میں نظر بند کرتے ہیں، لہٰذا انھیں قابلِ اعتراض کپڑے پہننے کا موقع میسر آجاتا ہے اور پھر وہ دوسرے گھروں کے مردوں کو جو بظاہر غیر ہوتے ہیں، اپنے گھر میں داخل ہونے کے لیے رغبت کا اظہار کرتی ہیں۔ (خیال، ۱۸۹۵ء الف، ص۲۱-۲۲)۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا نظریات مشہور دیوبندی عالم مولوی اشرف علی تھانوی کے خیالات سے بہت زیادہ مماثلت رکھتے ہیں جو پردہ کے مکمل حمایتی تھے۔ دونوں مصنفین نے اس بات کی کوشش کی تھی کہ خواتین کو گوشہ نشین کرنے اور پہننے اوڑھنے کے ضوابط کی صورت میں ان سخت گیر قوانین کو سامنے لائیں جو عمومی طور پر معاشرے میں رائج ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح ان دونوں ''روایت پسند'' اور ''ترقی پسند'' اصلاح پسند حضرات نے خواتین کو مردوں کی سخت نگرانی میں رکھنے سے متعلق اپنے شدید خدشات اور اندیشوں کا اظہار کیا تھا۔

۳) ''پردہ'' کے موضوع پر طنزیہ مضامین:

اس موضوع پر لکھی جانے والی تحریریں خواتین کی گھریلو نظر بندی اور ان کی نظر بند طرزِ زندگی پر کیے جانے والے عالمی اعتراضات کو آگے بڑھاتی ہیں کہ پردہ کے عمل کو اختیار کرنا، ناقابلِ عمل نیز وقت اور مالی لحاظ سے گراں ہے اور یہ خواتین کی صحت کے لیے بھی باعثِ تشویش ہے۔ مبالغہ آرائی اور تحریر کے ذومعنی اسلوب کا سہارا لے کر ان تحریروں نے مکان کی چار دیواری میں مقید عورتوں کو ملنے والی اس زندگی پر کھلم کھلا مذمت کرنے کا موقع تلاش کیا۔ درج ذیل اقتباس دراصل میاں بیوی کے درمیان ہونے والی ایک فرضی گفتگو ہے جسے رسالے میں شائع ہونے والی تحریروں میں سے ایک تحریر ''پردہ کی نسبت ایک میاں بیوی کی گفتگو'' سے اخذ کیا گیا ہے۔ اسے محب حسین نے تحریر کیا (حسین، ۱۸۴۶، ص۵-۸)۔

یہ مضمون ایک گھریلو خاتون کا اپنی مقید اور نظر بند طرزِ زندگی پر کیے جانے والے شکوہ سے شروع ہوتا ہے:

''ہم تو مُردوں کے طرح مکانوں میں مدفون ہیں۔ ہم میں اور ان میں صرف یہی فرق ہے کہ وہ آرام کر سکتے ہیں، اپنی قبروں میں اوندھے پڑے ہیں جب کہ ہم اپنے گھروں میں ہزاروں اذیتیں جھیلتی ہیں۔ اس دنیا میں آنے سے پہلے ہم مادرِ شکم میں اسیر ہوتی ہیں، اس کے بعد جیسے ہی ہم اس دنیا میں قدم رکھتے ہیں، ہمیں گھروں میں قید کر دیا جاتا ہے جب تک ہماری زندگی کا خاتمہ نہ ہو جائے اور پھر ہماری موت کے بعد ہمیں قبر تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس جہان میں، جہاں ہم پیدا ہوتے ہیں، ہمارے لیے کوئی خوشی نہیں ہے۔ مشقت اور اذیت کے سوائے، جسے ہمیں چاروناچار جھیلنا پڑتا ہے، ہماری زندگی میں ہے ہی کیا؟'' (حسین، ۱۸۴۶، ص۵)

اپنی تقدیر پر نوحہ گری کے بعد خاتونِ خانہ کی گفتگو دینی دائرے کے بحث میں داخل ہو جاتی ہے جو خواتین کی گھریلو نظر بندی کے خلاف مزید قرآنی آیات اور احادیث پیش کرنے کے لیے مناسب موقع ہے۔ شوہر اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ بیوی کی بات کو فضول قرار دے کر رد کر دے لیکن اس کے پیش کردہ دلائل زیادہ قابلِ قبول نہیں۔

پردہ کے موضوع سے متعلق مزید طنزیہ جملے آزاد خیال کے پچھلی سطور میں زیرِ بحث لائے گئے مضمون ''پردہ اور اس کے نتائج'' کے ابتدائی صفحات میں پائے جاتے ہیں۔ مضمون نگار اس جملے سے (جسے ایک حدیث کا سہارا بھی حاصل ہے) مضمون کی ابتدا کرتا ہے کہ خدا کے احکامات ہمیشہ اس کی مخلوق کے لیے عمومی طور پر قابلِ عمل نوعیت رکھتے ہیں۔ ایک لمحے کے لیے خواتین کی گھریلو نظر بندی کو شریعت کے احکامات کا حصہ سمجھ لیا جائے تو یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ نہ صرف اعلیٰ طبقہ کی خواتین بلکہ اسلامی معاشرے کی ہر خاتون کو اس قسم کی گھریلو قید میں رہنا چاہیے۔ اس لیے آزاد خیال خود سے سوال کرتے ہیں کہ اگر تمام خواتین پردہ کی اس روایت کو اپنا لیں تو کیا پھر اس بات کا سامنا کرنا پڑے گا کہ اشرافیہ طبقہ کی کسی بھی خاندان میں خادماؤں کو ملازمت پر نہیں رکھا جا سکے گا کیوں کہ وہ خواتین بھی اپنے گھروں میں مقید زندگی گزارنے پر مجبور ہوں گی۔ لہٰذا شریف طبقہ کی خواتین کو اپنے گھر

کے روز مرہ کے تمام کام اپنے ہی ہاتھوں سرانجام دینے ہوں گے۔ نہایت ہی ظرافت اور مزاح کے ساتھ مضمون نگار نے ایک اعلیٰ طبقہ کی خاتون کا خاکہ دکھانے کے لیے اپنے نوکِ قلم کو حرکت دی ہے کہ جو ایک ہی وقت میں چولہا جلانے کی کوشش کر رہی ہے، مصالحہ بھی پیس رہی ہے اور روتے ہوئے بچے کو چپ بھی کرا رہی ہے۔ وہ گھر میں اشیا کی قلت کا تصور کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جب کھانا بنانا شروع کرنے کے لیے درکار ہر شے ترتیب پا جاتی ہے تو اچانک پتا چلتا ہے کہ گھر میں ایک بھی پیاز موجود نہیں ہے۔ اب کیا کیا جائے؟ چوں کہ وہ پردہ دار خاتون ہے اس لیے نہ ہی وہ مرد ملازموں کے سامنے آسکتی ہے اور نہ ہی ان سے گفتگو کر سکتی ہے، لہٰذا وہ انھیں کوئی چیز خرید کر لانے کے لیے بھی نہیں کہہ سکتی۔ وہ صرف ایک ہی کام کر سکتی ہے کے اپنے شوہر کا کام سے لوٹ کر گھر واپس آنے کا انتظار کرے۔ جیسے ہی بھوک کا مارا شوہر گھر میں داخل ہوتا ہے اور یہ پوچھتا ہے کہ رات کے کھانے میں کیا ملے گا تو خاتونِ خانہ برداشت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہیں اور دونوں میں تکرار شروع ہو جاتی ہے۔ ''اور...'' مصنف نے لکھا کہ ''اگر یہ ڈرامہ ایک شریف خاندان کے گھر میں نہ چل رہا ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ ایک دوسرے پر جوتے برسانا شروع کر دیتے۔'' (خیال، ۱۸۹۵ء ب، ص ۲۷)۔ مصنف اس جملے کے بعد خاکہ نگاری کے لیے اپنا مزاحیہ اسلوب جاری رکھتا ہے۔ اس اختلافی بحث کے بعد خاتونِ خانہ اپنا مسئلہ شوہر کے سامنے پیش کرتی ہے اور وہ ملازم کو پیاز لانے بھیج دیتا ہے۔ تقریباً آدھی رات تک کھانا بالکل تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن جب وہ دونوں کھانا کھا لیتے ہیں تو شوہر کی بقیہ آدھی رات گھر کے ملازموں کو کھانا کھلانے میں صرف ہو جاتی ہے (ایک اضافی کام، جسے عموماً گھر کی خادمائیں سرانجام دیتی ہیں)۔ پھر جیسے ہی اگلی صبح وہ نیند سے بیدار ہوتا ہے، اس کی بیوی گھر میں درکار اشیا کی ایک لمبی فہرست اسے زبانی بتاتی ہے جسے اگلے دن منگوانے کے لیے شوہر کو نوکر کی ضرورت درکار ہوتی ہے۔ ''مختصراً یہ کہ...'' مصنف نے نتیجہ پر پہنچتے ہوئے لکھا کہ ''صرف ایک دن بعد ہی میاں اور بیوی دونوں ہی اس طرزِ زندگی سے بے زار ہو جاتے ہیں۔'' (تصنیفِ مذکور، ص ۲۸)

اگر خواتین کی گھریلو نظر بندی، اسلامی قانون کا جز ہوتی اور جس کے باعث یہ عام زندگی میں اختیار کی جاتی تو اس بات کا امکان تھا کہ معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا، اس دوسری نوعیت کی موضوعاتی بحث کو استعمال کرتے ہوئے آزاد خیال بھی اس نتیجہ پر پہنچے جسے محبّ حسین اپنے طنزیہ مضمون

''موجودہ پردہ شرعی پردہ نہیں ہے'' میں اخذ کیا تھا۔''مرد پردہ میں کیوں نہ بیٹھیں'' ۳۲ طنزیہ مضمون کی تیسری مثال ہے۔مضمون کے متن میں شامل سرسری طور پر طنز آمیز اسلوب کے ساتھ مضمون نگار نے خود کو پردہ کا حامی ظاہر کیا ہے۔ ۳۳ مضمون نگار نے ایک دلچسپ جملے سے تحریر کا آغاز کیا ہے کہ اس کے دور میں یہ بات درحقیقت بڑی حد تک لوگوں کے علم میں آگئی ہے کہ ہندوستان میں رائج پردہ کی روایت اسلامی قانون کے مطابق نہیں ہے۔تاہم اس روایت کے حامیوں میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ خواتین کو گھریلو نظر بندی چھوڑ کر باہر نکلنے کی اجازت عطا کی جائے۔ اس موقع پر مضمون نگار کا یہ سوال بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ مرد حضرات جو برسوں سے اس آزادی کا لطف اٹھا رہے ہیں، کیا انھوں نے خواتین کے سامنے یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ بھی اس آزادی کی حق دار ہیں:

''صدیوں قبل اس آزادی کا مزہ لوٹنے میں مصروفِ عمل مردوں کے تجربہ سے اب یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ ان کی بداخلاقی، بے انصافی اور خودسری کی کوئی انتہا نہیں۔اس حرکت پر ان کی سزا صرف یہی ہوسکتی ہے کہ انھیں ان کے گھروں میں قید کردیا جائے اور خواتین کو اس بات کی اجازت دی جائے کہ وہ رفتہ رفتہ ان کے پیشوں پر قابض ہوجائیں۔'' (''پردہ کا حامی''، ۱۸۹۶ء، ص ۲۷)

مصنف نے پوری مرد برادری کو مخاطب کرتے ہوئے مستقبل کی پیش گوئی کی، وہ لکھتے ہیں:

''خدا کے لیے اپنی بے انصاف روش کو ترک کردو، ورنہ وہ دن آئے گا جب تمھاری بیٹیاں اور بہوئیں اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گی۔اسباب، قانون اور مذہب ان کا ساتھ دیں گے اور تمھاری کوئی مدد نہیں کر پائیں گے۔تب تم مکمل طور پر بے یار و مددگار ہوجاؤ گے۔تمھاری جانب سے پیش کی جانے والی توجیہات اور دلائل تمہارے کسی کام نہ آئیں گے اور ہر کوئی تمھارے مضحکہ خیز بیانات اور حرکتوں پر ہنسے گا۔وہ دن کہ جب انصاف قائم کیا جائے گا اور تمھیں اپنے ہر برے عمل کا جواب دینا پڑے گا، تب زندگی تمھارے لیے آسان نہ ہوگی۔ مجھے ڈر ہے کہ پردہ کے موجودہ قوانین ایک دن تمھیں ہی الٹا اثر دکھائیں گے۔اس لیے عزیز مرد برادری! دوسروں کے حقوق پر اپنے غاصب دراز ہاتھوں کو واپس اٹھالو اور صرف اپنے حقوق پر راضی ہو جاؤ۔اور اپنے اعمال کے مظہر سے خبردار رہو۔ہم امید کرتے ہیں کہ

تم اپنے ہی اوپر بازی پلٹتے ہوئے نہیں دیکھو گے۔'' (تصنیفِ مذکورہ، ص ۲۸)

بازی پلٹنے کا جو نقشہ اس مضمون میں کھینچا گیا ہے وہ مشہور حامیِ نسواں، رقیہ سخاوت حسین کے انگریزی زبان میں تحریر کردہ افسانے ''سلطانہ کا خواب'' کی یاد دلاتا ہے جو اس مضمون کی اشاعت کے بارہ سال بعد شائع ہوا۔ ۳۴ یہ اب تک سوالیہ نشان ہے کہ مذکورہ مضمون کسی خاتون نے تحریر کیا تھا یا پھر محبّ حسین کے قلم سے برآمد ہوا تھا یا پھر یہ کسی دوسرے اصلاح پسند کی تخلیق تھی۔

۴) نسلیاتی اور تاریخی مضامین:

لوزیا ساورے دو ایسے مضامین اس مقالہ کے آخری حصے میں پیش کرنا چاہتی ہیں جو اب تک تجزیہ کیے جانے والے تمام مضامین سے مختلف ہیں۔ یہ دونوں مضامین اگرچہ پردہ کی روایت پر بالواسطہ یا بلاواسطہ تنقید نہیں کرتے لیکن مختلف تہذیبوں اور ادوار میں خواتین کی سماجی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے اس موضوعاتی بحث کا دائرہ وسیع کرنے کی کوشش ضرور کرتے ہیں۔

پہلے مضمون کا عنوان ''ایک بے پردہ مسلمان قوم'' ہے اور اسے مولوی عزیز مرزا نے تحریر کیا تھا (مرزا، ۱۸۹۵ء، ص ۶-۱۳)۔ ۳۵ اس کا آغاز کچھ یوں ہوتا ہے:

> ''ہمارے اسلاف نے اپنے علم کا بڑا حصہ سفر سے حاصل کیا۔ آج ہم علم اور سفر کے درمیان اس تعلق کو رفتہ رفتہ بھولتے جا رہے ہیں، اگرچہ دورِ حاضر میں بھی اس کی تاثیر قابلِ دید ہے۔ یورپ میں اس کے کمالات سے ہر کوئی واقف ہے۔ دیگر فوائد کے ساتھ ساتھ شاید (یا شاید نہیں) سفر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ فرد کے شعوری ادراک میں وسعت پیدا کرتا ہے اور مختلف تہذیبوں کے افراد کے لباس کے بارے میں جاننے کا موقع فراہم کرتا ہے اور یہی چیز بلاشبہ کامیابی کا نقطۂ آغاز ہوتی ہے۔ مزید برآں سفر کی بدولت کوئی شخص علاقائی عصبیت پر رفتہ رفتہ قابو پالیتا ہے جو اس بات کی جانب فرد کو راغب کرتی ہے کہ وہ خود کو معزز ترین انسان سمجھے، اپنے خاندان کو عظیم ترین خاندان مانے اور اپنی تہذیب کو سب سے بہترین تصور کرے۔'' (مرزا، ۱۸۹۵ء، ص ۷)

اس تعارفی اقتباس کے بعد عزیز مرزا نے اس پہلو کی جانب اشارہ کیا ہے کہ پردہ کے موضوع پر لکھے جانے والے مباحثی مضامین کے سیاق و سباق کے لیے اگر مختلف قوموں اور ان کی

ثقافتوں پر نظر ڈالی جائے تو یہ کسی فرد کے عقائد اور مستحکم نظریات کے قیام میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ دنیا کے دیگر خطوں سے موازنہ یہ نتیجہ برآمد کرتا ہے کہ صرف ہندوستان ہی میں پردہ کا مطلب گھر میں خواتین کی گوشہ گیری یا نظر بندی ہے۔ ۳۶ انھوں نے واضح طور سے اس پہلو کو اجاگر کیا کہ عرب معاشرے کی خواتین عام طور پر گھر سے باہر نکلتے وقت مکمل حجاب کرتی ہیں لیکن اپنی پوری زندگی گھر کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے نہیں گزارتیں۔ مصر اور ترکی میں خواتین صرف نقاب ۳۷ پہنتی ہیں لیکن باقی جسم کے معاملہ میں ''وہ اسی طرح آزاد ہوتی ہیں جیسے ایک یورپی خاتون۔'' (مرزا، ۱۸۹۵ء، ص ۷) انھوں نے مزید لکھا کہ کوئی بھی شخص اس بات پر اعتراض کرسکتا ہے کہ مذکورہ بالا دونوں ممالک یورپ کے زیر اثر رہے ہیں۔ اسی لیے انھوں ایک ایسے خطۂ زمین کے لوگوں کے ذکر منتخب کیا جن میں یورپی تہذیب کا کسی بھی قسم کا اثر مکمل طور پر خارج از امکان قرار دیا جا سکے، اور اس کا نام ''توارگ'' ۳۸ ہے جو مغربی افریقہ کا ایک علاقہ ہے۔ انھوں نے پہلے تو واضح طور پر اس بات کو لکھا کہ یہ لوگ پکے مسلمان ہیں۔ ان کی خواتین اب تک اپنی نہایت ہی منفرد روایات پر عمل پیرا ہیں:

> ''توارگ قوم میں عورتیں بالکل آزاد ہیں۔ حتی کہ بچوں کے نام کے ساتھ بھی ان کا نام لگاتے ہیں۔ اگر کسی بچے کا باپ غلام ہے اور اس کی ماں آزاد عورت ہے، تب وہ بچہ آزاد کہلائے گا۔ اسی لیے مثل مشہور ہے کہ بچہ اپنی ماں کی روش پر چلتا ہے۔ توارگ کی خواتین کو اپنے مال و جائیداد پر مکمل اختیار حاصل ہے اور بچے کی ملکیت کے متعلق بھی مکمل طور پر ایسا ہی ہے۔ یہ بات عام طور سے قابلِ قبول تصور کی جاتی ہے کہ عورت جہاں چاہے، جاسکتی ہے۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے، کوئی عورت صرف اپنے فعل کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ ۳۹
> نوجوان لڑکیاں بیس سال کی عمر کو پہنچنے سے قبل شاذ و نادر ہی خود کو شادی کے بندھن میں باندھتی ہیں اور انھیں اپنی مرضی سے اپنے جیون ساتھی کا انتخاب کرنے کی اجازت ہوتی ہے، چاہے وہ شخص خاندان میں کتنا ہی دور کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ مزید یہ کہ مردوں کے بجائے عورتیں زیادہ اور بہتر پڑھی لکھی ہوتی ہیں۔ وہ گھر کے کام کاج اپنی غلام عورتوں کے سپرد کر کے خود کو خصوصی طور پر موسیقی، فن کارانہ دست کاری اور اُن شعبوں کے لیے مختص کر دیتی ہیں جو ذہانت اور فراست کے متقاضی ہوتے ہیں۔ چند مخصوص موقعوں پر مثلاً بڑی

مجلسوں میں (جہاں غیر مرد بھی موجود ہوتے ہیں) وہ پوری بستی کے لیے ساز بجاتی ہیں۔''

(مرزا، ۱۸۹۵ء، ص۱۲-۱۳)

عزیز مرزا انسان کی دو مختلف جنسوں کے مابین سماجی تعلقات کے موضوع پر نہایت دلچسپ تفصیلات بھی فراہم کرتے ہیں۔ وہ کثیر الازواجی کے موضوع پر اُس وقت اپنا تنقیدی نظریہ پیش کرتے ہیں جب وہ یہ لکھتے ہیں کہ توارگ کے معاشرے کی خواتین عموماً اپنے شوہروں کی فرماں برداری کیا کرتی ہیں لیکن جب کسی کا شوہر دوسری شادی کر لیتا ہے تو پھر اس کی پہلی بیوی فوراً اس کے ساتھ نکاح کے بندھن سے خود کو آزاد کرنے کے لیے اس پر دباؤ ڈالتی ہیں۔ انھوں نے خواتین کو ان کے نامناسب برتاؤ اور مجرمانہ فعل پر ملنے والی سزاؤں کے بارے میں بھی سرسری طور پر لکھا ہے۔ زنا شوی پر موت کی سزا دی جاتی ہے اور اگر شادی شدہ خاتون اس فعل کی مرتکب ہوتی ہے تو اس کے شوہر کو سرکاری طور پر اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اس کی زندگی چھین لے۔ آزادیٔ نسواں اور خواتین کی معاشرتی آزادی کی حدود کے نکات مرتب کرنے کے بعد مضمون نگار اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ درحقیقت توارگ کے معاشرے میں مرد و عورت کے مابین رائج تعلقات مکمل طور پر برابری کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں اور یہ تعلقات مکمل طور پر پاک ہوتے ہیں۔ انھوں نے اشارتی انداز میں لکھا کہ اس معاشرتی حقیقت کو توارگ کے معاشرے میں رائج ایک ضرب المثل سے یوں بیان کیا جاتا ہے: ''ہمارے لوگوں کے درمیان مرد اور عورت کی رفاقت، آنکھوں اور دل کی رفاقت ہے، نہ کہ محض ہم بستری کے لیے ہے جیسا کہ عرب کے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔'' (مرزا، ۱۸۹۵ء، ص۱۳)

خواتین کے غیر مہذبانہ رویوں اور مجرمانہ افعال پر ملنے والی سخت سزاؤں کی جانب عزیز مرزا کی نشاندہی اور پھر ان کا میاں بیوی کے مابین تعلقات میں برابری کی حیثیت پر مصر رہنا، نہایت دلچسپ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پردہ کی روایت کو اپنائے بغیر کوئی معاشرہ جہاں خواتین کھلی آزادی کی مسرت حاصل کرتی ہوں، اقدار اور قوانین کے ایسے ٹھوس نظام کا ہنوز حامل ہوسکتا ہے جو مرد اور عورت کے مابین تعلقات کی تجدید کرتے ہوں۔ یہ بات بھی خصوصی طور پر توجہ طلب ہے کہ مضمون نگار نے توارگ کی خواتین کے لباس اور پہننے اوڑھنے کی جانب توجہ مبذول نہیں کروائی ہے، گویا وہ یہ نظریہ پیش کرنا چاہ رہے ہیں کہ ایسے معاشرے میں جہاں مرد اور عورت کے مابین تعلقات

برابری اور قاعدے کے تحت ہوتے ہیں، وہاں اس بات کی معاشرتی اہمیت بہت کم ہوتی ہے کہ پہننے اوڑھنے کے لیے کیسا لباس منتخب کیا جاتا ہے۔

آخری مضمون جسے لوزیا ساورے بحث میں شامل کررہی ہیں وہ ''پردہ کی تاریخ'' ہے جسے مولانا شبلی نعمانی نے تحریر کیا (شبلی نعمانی، ۱۹۰۰ء، ص۳۸-۹۷) جن کی حیثیت اب تک مباحثے میں شامل ہونے والوں سے جدا ہے۔ ان کا مقصد جس کا وہ شروع ہی سے پرچار کرتے رہے، درج ذیل ہے:

''اس مضمون میں میری خواہش یہ نہیں ہے کہ اس روایت کے فوائد ونقصانات پر بحث کروں بلکہ اس بات کا کھوج لگاؤں کہ یہ روایت دنیا کی تاریخ میں کیوں اور کیسے شامل ہوئی، نیز یہ کہ کس طرح مختلف ادوار میں یہ تبدیل ہوا۔'' [۴۰]

شبلی کے مطابق پردہ کی کم از کم ایک شکل تو جو کہ پورے بدن کو ڈھانکنا تھی، طلوعِ اسلام سے قبل موجود تھی، یعنی یہ روایت دورِ جاہلیت کے عربوں میں ہی پروان چڑھ چکی تھی۔ دورِ حاضر میں کیے جانے والے مطالعۂ جنسِ انسانی (Gender Studies) سے بڑی حد تک مطابقت رکھتے ہوئے انھوں نے اپنے مضمون کا آغاز اس مشاہدہ کو پیش کرتے ہوئے کیا کہ جنسِ انسانی میں پائے جانے والے فرق سماجی، تہذیبی اور تاریخی عوامل کا اثر قبول کرتے ہیں:

''اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قدرت نے مرد اور عورت کو تخلیق کیا جو ایک دوسرے سے کئی لحاظ سے مختلف ہیں۔ لیکن تہذیب نے ان اجناسِ انسانی میں بہت سے نئے فرق پیدا کیے ہیں جن کی رو سے ہر قوم، ہر فرقہ اور ہر ملک کے لوگوں نے مختلف رنگ و روپ اختیار کیے۔ ممکن ہے کہ انسانی تاریخ کے آغاز میں مرد اور عورت کے لباس پہننے کے طریقے اور برتاؤ کے رویے ایک جیسے ہوتے تھے۔ تاریخ کے اُس دور میں ان کی نیچرل [۴۱] خصوصیات کے ساتھ ساتھ ان دونوں کے درمیان نہایت ہی مشکل سے کوئی تفریق کر پاتا تھا۔ لیکن جیسے جیسے تہذیبِ انسانی نے ترقی کی، ویسے ویسے دونوں انسانی جنسوں کے مابین زیادہ سے زیادہ باہمی فرق نمودار ہوئے۔ مہذب معاشرے میں یہ عمل اب اس نہج پر پہنچ چکا ہے کہ روایت اور معاشرت کے حوالے سے چند ہی ایسے پہلو باقی بچے ہیں جن میں مرد اور عورت کبھی ایک جیسے ہو پائیں گے۔'' (شبلی نعمانی، ۱۹۰۰ء، ص۳۸)

اس کے بعد وہ اس سوال پر کہ پردہ کی روایت سب سے پہلے کب سامنے آئی، اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ عام مشاہدہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی ایام میں پردہ کے قوانین کے آغاز کے ساتھ ہی مرد اور عورت کے درمیان فاصلے قائم ہو گئے تھے۔ یہ مفروضہ بالکل غلط ہے۔ (...) آیئے! اب پردہ کے دو معنی بناتے ہیں: (۱) جسم اور چہرے کو ڈھانکنا۔ (۲) مردوں کی مجالس اور مجمع میں عورتوں کا شریک نہ ہونا۔ پردہ کی پہلی مذکورہ قسم عربوں میں اسلام سے قبل ہی موجود تھی۔ خصوصی طور پر فطری ضرورتوں کے باعث اس کی نشونما ہوئی۔ چوں کہ یہ خصوصی طور سے فطری ضرورتوں پر مبنی تھی، لہٰذا اس کا تعلق صرف خواتین ہی سے نہ تھا۔ اسی وجہ سے ابتدا میں صرف خواتین ہی اس روایت پر عمل پیرا نہ تھیں بلکہ مردوں اور عورتوں دونوں میں یہ روایت یکساں طور پر رائج تھی۔'' ۴۲

شبلی نے اس سوال پر کہ نقاب کی روایت کس طرح شروع ہوئی، کئی عرب اسکالرز کے نظریات پیش کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ ان کے خیال میں عرب کا وہ قبیلہ جس کے لوگوں نے سب سے پہلے خود کو نقاب میں چھپانے کا آغاز کیا، قبیلہ ''حمیر'' تھا جس کے لوگوں نے خود کو سخت موسم (سرد اور گرم دونوں درجہ حرارت) سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے ایسا کرنا شروع کیا۔ ۴۳ یہ روایت دھیرے دھیرے دیگر قبائل میں بھی پھیل گئی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ زیادہ تر قبائل کے لوگوں نے اسے ترک کر دیا:

''کچھ لوگ (مرد) کسی یا خوشی یا غرور سے ماورا ہو کر گاہے بہ گاہے ہنوز خود کو نقاب میں چھپالیا کرتے تھے لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، لوگوں نے اسے عام زندگی کے برخلاف تصور کرنا شروع کیا۔ خواتین میں یہ روایت البتہ اسلامی دور تک قائم رہی۔ پھر اسلام نے اس روایت کو اور زیادہ مضبوط کیا اور اسے فرض قرار دیا۔'' (شبلی نعمانی، ۱۹۰۰ء، ص ۴۳)

اپنا نقطۂ نظر درست ثابت کرنے کے لیے کہ خواتین ظہورِ اسلام سے قبل بھی مکمل حجاب کیا کرتی تھیں، شبلی نے عرب کے قبلِ اسلام کے شعرا کے کلام کا حوالہ دیا جنھوں نے اس بات کی تصدیق کی تھی کہ خواتین اپنی حسِ شرم و حیا کے باعث اپنا چہرہ چھپائے رکھتی تھیں۔ خواتین کا سترِ بدن کا خیال

رکھنے کا یہ تصور (صرف عمل ہی ظاہر کرنا نہیں) رفتہ رفتہ جڑ پکڑتا گیا (شبلی نعمانی، ۱۹۰۰ء، ص۴۴)۔ انھوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے لکھا کہ اس دور میں ستر سے اسّی اقسام کے مختلف نقاب اپنے الگ الگ ناموں کے ساتھ پہلے ہی موجود تھے جن میں کوئی بھی نیا نام اسلامی دور کی پہلی پوری صدی کے دوران شامل نہیں ہوا۔ انھوں نے ان اقسام کی ایک فہرست لکھی ہے اور انھیں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ انھوں نے لکھا کہ سر کو ڈھانکنے والا حصہ مختلف ناپ اور شکل کے بہت سے رومالوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا جو ایک دوسرے پر لپیٹ کر پہنے جاتے تھے۔ (تصنیفِ مذکورہ، ص۴۴-۴۶)

اپنے اس مضمون کے آخری صفحات میں شبلی نے پردہ کی دوسری قسم کا بیان لکھنا شروع کیا جو ہندوستان کی شریف خواتین استعمال کرتی تھیں، یعنی خواتین کا گھر میں ایک الگ تھلگ مقام پر رہائش اختیار کرنا [جسے گھریلو نظر بندی کہا جا سکتا ہے]۔ انھوں نے لکھا:

> ''پردہ کی دوسری قسم یا معاشرتی قانون جس کے تحت خواتین، مردوں کی مجالس میں شریک نہیں ہوسکتیں، دورِ جاہلیت میں بھی موجود نہ تھا۔ خواتین عام زندگی میں لوگوں کے اجتماع اور جنگی مہمات میں شریک ہوتیں اور میلوں میں بھی جاتی تھیں۔ عکاظ کے میلے میں جہاں شعرا اپنا کلام لوگوں کو لہک لہک کر سنایا کیا کرتے تھے، وہاں شاعرات بھی عوام کے لیے منعقد ہونے والے تقریری و شعری مقابلوں میں حصہ لیتیں۔ لوگوں کے بھرے مجمع میں شاعرات قصیدے پڑھتی تھیں اور لوگ انھیں دادِ تحسین دیتے تھے۔ ایک مرتبہ خنسہ، ۴۴ جو حزنیہ گیت پڑھنے میں اپنی مثال آپ تھی، عکاظ کے میلے میں گئی اور اس وقت کے عظیم شاعر، نابغہ ذبیانی [۵۳۵ء-۶۰۴ء، اگرچہ اس کے سن وفات کے بارے میں شبہ ہے۔ اس کا اصل نام زید ابن معاویہ تھا۔ انگریزی زبان میں اسے Al-Nabigha کے نام سے لکھا جاتا ہے] کے سامنے اپنا قصیدہ پڑھا۔ نابغہ نے کہا: ''یہ میرے لیے افسوس کا مقام ہے کہ میں شاعرِ عرب کا لقب کسی دوسرے شخص کو دے چکا ہوں ورنہ میں یہ اعزاز تمھیں عطا کرتا۔ تاہم میں تم سے اتنا ضرور کہوں گا کہ تم عرب کی خواتین میں سب سے بہترین شاعرہ ہو۔'' اس پر خنسہ نے جواب دیا: ''نہیں! میں مردوں اور عورتوں دونوں میں سب سے بہترین ہوں۔''

جب کبھی کسی بستی میں کوئی شاعر آتا تو بستی کی ساری خواتین اس کے گرد گھیرا ڈال لیتیں اور اس کا کلام سننے کی فرمائش کرتیں۔ چوں کہ وہ خواتین عموماً بہت ذہین ہوا کرتی تھیں، لہٰذا نہایت مسرت کے ساتھ اس کا شاعرانہ کلام سنتی تھیں۔ مختصراً یہ کہ شاعری کی مجلس، مقابلہ بازی، تہوار، میلے، جسمانی قوت کے مقابلے اور جنگی مہمات، غرض خواتین کسی بھی واقعہ یا مجلس میں کسی بھی قسم کے مسئلہ یا تکلیف کے بغیر حصہ لیتیں۔ یہ صورتِ حال دورِ جاہلیت کے خاتمہ تک باقی رہی۔ اسلام کی آمد کے ساتھ ہی ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔'' (شبلی نعمانی، ۱۹۰۰ء، ص ۴۶-۴۷)

انھی سطور سے مضمون اختتام کو پہنچتا ہے۔ ''پردہ اور اسلام'' کے طویل مضمون میں اسلام کے ابتدائی دور میں پردہ کی روایت کے موضوع پر شبلی کے نظریات موجود ہیں۔ لوزیا ساورے اس مقام پر انھیں مختصراً بیان کی مدد سے سامنے لانا چاہتی ہیں۔

شبلی نے وضاحت سے بیان کیا ہے کہ اسلامی دور کی ابتدا میں جسم اور چہرے کو چھپانے کی روایت کمزور پڑ چکی تھی۔ بہت سی خواتین بڑے گریبانوں والے لباس پہنتی تھیں اور اپنے سینوں کو صحیح طریقہ سے نہیں ڈھانکتی تھیں۔ بالخصوص شہر مدینہ میں جہاں عرب، یہودیوں کے ساتھ گھل مل گئے تھے، بہت سی خواتین مجمع میں اپنا چہرہ نہیں ڈھانکتی تھیں (شبلی نعمانی، ۱۹۵۴ء، ص ۱۱۳-۱۱۴)۔ مزید برآں یہ بات عام تھی کہ بدکردار لوگ غلام لڑکیوں پر دست درازی کیا کرتے تھے اور انھیں خوف زدہ کیا کرتے تھے، اور جب کوئی معزز خاتون حجاب کیے بغیر گھر سے باہر عوای ماحول میں آتی تو اس کے نصیب میں بھی اسی صورت حال کا سامنا کرنا لکھا ہوتا تھا۔ حجاب سے متعلق قرآنی آیات (جو کہ شبلی کی رائے میں چہرے کو چھپانے سے متعلق بھی ہیں) انھی حالات و ماحول میں نازل ہوئیں (شبلی نعمانی، ۱۹۵۴ء، ص ۱۱۴-۱۱۸)۔ اپنی پیش کردہ تشریح کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے مختلف ماخذات (احادیث مبارکہ سے لے کر سفرناموں تک) کے حوالے تحریر کیے ہیں اور ان مخصوص موقعوں کا ذکر کیا ہے جن میں غیر مردوں کی موجودگی کے باوجود خواتین اپنے چہروں کو نہیں چھپاتی تھیں۔ مصنف نے اس بات پر زور دیتے ہوئے لکھا کہ یہ سب حالات و واقعات واضح طور پر اس استثنا یا مثالِ انحرافِ اصول سے منسوب ہیں جو اس بات کی توثیق کرتی ہے کہ ''عورتوں کا پردہ کرنا اور منہ چھپانا مسلمانوں کی عام معاشرت

تھی۔'' (شبلی نعمانی، ۱۹۵۴ء، ص۱۲۰)

شبلی کے طویل مضمون پر مذکورہ سرسری جائزہ یہ ظاہر کرتا ہے وہ اور محبّ حسین بالکل متضاد نظریات کے حامل تھے۔ شبلی کا نظریہ محبّ حسین کی شرعی پردہ کی اس تشریح کی مخالفت کرتا ہے جس کے مطابق چہرہ اور ہاتھ نہیں چھپانے چاہییں۔ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ''پردہ اور اسلام'' کا طویل مضمون ''پردہ کی تاریخ سے قبل شائع ہو چکا تھا تو یہ اندازہ لگانا بہت آسان ہے کہ محبّ حسین نے پردہ سے متعلق اسلام کے ابتدائی دور کا حصہ کیوں حذف کر دیا۔ [۴۵] کسی بھی صورت میں، خواہ وہ اس مضمون کی حذف شدہ صورت ہی کیوں نہ ہو، شبلی کا مضمون یہ ظاہر کرتا ہے کہ محبّ حسین کے جریدے میں پردہ سے متعلق بیان کی جانے والی تشریحات مختلف النوع تھیں۔

ماحصلِ تحقیق:

زیرِ نظر مقالہ کی ابتدا میں جن نظریات کے متعلق مختصراً بیان کیا گیا تھا، اب انھیں خواتین کے لیے پردہ کی روایت سے متعلق مذکورہ بالا سطور میں پیش کی جانے والی غیر مربوط آرا کو اصلاح پسندوں کی بڑے پیمانے پر کیے جانے والے مباحث کی روشنی میں مربوط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سوائے ایک طنزیہ مضمون بہ عنوان ''مرد پردہ میں کیوں نہ بیٹھیں؟'' کے علاوہ باقی تمام تجزیاتی مضامین میں خواتین کو مردوں کی سخت نگرانی میں رکھنے کی سعی کا اظہار کیا گیا ہے۔ ان مضامین کے مصنفین میں بہت سے ایسے ہیں جو خواتین کی گھریلو نظر بندی کی مخالفت تو کرتے ہیں لیکن شائستگی کے معیارات کی تبلیغ (زیادہ تر لباس پہننے کے ضوابط کی شکل میں) بھی کرتے ہیں۔ محبّ حسین، عباسی چڑیا کوٹی اور آزاد خیال کی نظر میں خواتین کو اس بات کی اجازت ملنی چاہیے کہ وہ اپنے گھروں سے باہر نکلا کریں لیکن صرف اس حالت میں کہ وہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ باقی پورے جسم کو چھپا کر رکھیں۔ شبلی کے مضمون میں بھی لباس کا انتخاب نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ انھوں نے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ دورِ اسلام سے قبل خواتین اگرچہ آزادی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکتی تھیں لیکن تب وہ مکمل حجاب کیے رکھتی تھیں۔ حتیٰ کہ عزیز مرزا، جو واحد ایسی شخصیت ہیں جنھوں نے لباس پہننے کے مسئلہ کو نہیں چھیڑا، تو ارگ کے بیان کردہ دور کی معاشرت کے

مروجہ اخلاقی نظام (شادی شدہ عورت کا زنا بالرضا کا جرم کرنے پر موت کی سزا پانا) کی موجودگی کی جانب اشارہ کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ ان سب نظریات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خواتین کی گھریلو نظر بندی سے متعلق ان تمام مضمون نگاروں کی مخالفانہ آرا یا تنقیدیں اور خواتین کی نگرانی نیز ان کی حفاظت کرنے سے متعلق ان کے مشفقانہ اور ہمدردانہ نظریات دراصل دو مختلف حیثیتوں کے حامل ہیں جو ایک دوسرے میں مل گئی ہیں۔ اس لحاظ سے پردہ مخالف نظریہ کے حامل افراد نے اصلاح پسندوں کی عوامی بحث کی تجسیم کچھ یوں کی ہے کہ ایک طرف تو وہ خواتین کو ان شعبوں تک دسترس حاصل کرنے کی اجازت دیتے ہیں جن پر مردوں کی حکمرانی قائم ہے (جیسے تعلیم کا شعبہ)، لیکن ساتھ ہی وہ انھیں مردوں کی سخت نگرانی میں رکھنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ گایل مینالٹ نے جس طرح اس امر کی نشان دہی کی ہے کہ پردہ کی روایت کا حامل معاشرہ اپنی خواتین کو مردوں کی نگرانی سے باہر نکلنے کی اور اپنی شخصی آزادی حاصل کرنے کی ایک خاص حد تک ہی اجازت دیتا ہے۔ (مینالٹ، ۱۹۸۴ء، ص ۱۶)

دوسرا پہلو یہ ہے کہ زیرِ نظر مقالہ میں تجزیہ کیے جانے والے اکثر مضامین میں نہایت دلچسپ نوعیت کی جدتیں تھیں۔

ایک اعتراض عزیز مرزا کا یہ تھا کہ اگر پردہ کا حکم اسلامی قانون کے مطابق ہوتا تو معاشرے کی تمام خواتین اسے اختیار کرتیں اور یوں معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا۔ یہ بات یاد رہے کہ خواتین سے متعلق ہندوستان کے مسلمان اصلاح پسندوں کے مباحث، معاشرے کے ایک طبقہ ''اشراف'' سے متعلق بھی تھے جو معاشرے کے طبقۂ زیریں اور بالائی طبقہ (گھٹیا قسم کے نواب) سے ہٹ کر اپنی علیحدہ حیثیت کی تجدید کرنا چاہتا تھا، [۴۶] اور یہ کہ زیادہ تر اصلاح پسندوں کی نظر میں پردہ کی روایت پر عمل پیرا ہونا ان کی شناخت کا اہم جز تھا۔ شریف طبقہ کی عزت و عظمت کے اس نشان کو معاشرے کی تمام خواتین تک پھیلانے کی آزاد خیال کی خیالی کوششیں بالکل نئی اور نا آزمودہ تھیں۔

ایک آخری دلچسپ موضوع عزیز مرزا کے مضمون میں ملاحظہ کیا گیا جنھوں نے مغربی افریقہ کے علاقے توارگ کا حوالہ دیتے ہوئے نہایت باشعور اسلوب میں جنوبی ایشیا کے مسلم معاشرے کی اصلاح کے لیے ایک مثالی نمونہ پیش کیا ہے۔ انھوں نے نہایت فراست سے جنوبی ایشیا کے مسلم معاشرے کی اس پریشان کن صورت حال کے تدارک اور اس کی اصلاح کے لیے یورپی معاشرے کے

معیارات کی شدت سے طلب محسوس کرتے ہوئے ایک ممکنہ مثالی نمونہ پیش کیا، بصورت دیگر اُس دور میں لکھا جانے والا اصلاحی ادب بھی تو کثرت سے ''دوسرے'' عناصر پر ہی مشتمل تھا [غالباً لوزیا ساورے کا اشارہ اس پہلو کی جانب ہے کہ مسلمان اصلاح پسندوں کے معیارات بھی ہندوستان کے معاشرے کے لیے بیرونی عناصر کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لیے پردہ سے متعلق متضاد نظریات کی بحث کو طول دینے اور خواتین کی گھریلو نظر بندی کا سلسلہ اسی طرح جاری رکھنے سے بہتر تھا کہ یورپ کی معاشرت نیز دیگر معاشرتوں کے اخلاقی معیارات کا مطالعہ کر کے ہندوستان کے معاشرے کے لیے ایک ایسا اخلاقی نظام مرتب کیا جاتا جس سے معاشرہ ان متضاد رویوں کے دائرے سے نکل کر کسی واحد مرکز مائل قوت کے زیرِ اثر متحد ہو جاتا]۔

زیرِ نظر مقالہ میں تجزیہ کیے جانے والے آٹھ مضامین اگر محض پردہ کی روایت کے بجائے خواتین سے متعلق ہندوستانی اصلاح پسند مسلمانوں کے مباحث کے منظر نامے کو وسیع کرنے کے لیے تحریر کیے گئے ہوتے، تب یہ مفروضہ قائم کیا جا سکتا ہے کہ اس ماہ نامہ کے ذخیرے کے ایک بڑے حصہ کا تحقیقی مطالعہ شاید اس موضوع کو مزید وسیع کر پاتا۔

حواشی:

۱ ہندو معاشرت میں اعلیٰ طبقے کی خواتین بھی ایک قسم کے پردہ کا اہتمام کیا کرتی تھیں جو اگرچہ مسلم طریقۂ پردہ سے مختلف تھا اور بنیادی طور پر محض خواتین کا ان کے مرد رشتہ داروں سے میل جول سے پرہیز کرنے کے قوانین سے متعلق تھا، تاہم چند ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ ہندو خواتین مذکورہ ہندوانہ پردہ کے طریقے کے ساتھ ساتھ مسلم طرز پر بھی پردہ کا اہتمام کیا کرتی تھیں۔ ملاحظہ کریں: پاپانک، ۱۹۷۳ء، ص ۳۰۱-۳۰۳۔

۲ اس نسلی درجہ بندی کو مصنفہ نے گایل مینالٹ کی تحقیق سے اخذ کیا ہے (مینالٹ، ۱۹۹۸ء- الف، ص ۱۱)۔

۳ ملاحظہ کریں ان کا مشہور ترین ناول ''مراۃ العروس'' جو ۱۸۷۰ء میں منظر عام پر آیا (احمد، نذیر، ترجمہ: وارڈ، ۲۰۰۱ء، ص ۱۵)۔ نذیر احمد کا وہ خط بھی ملاحظہ ہو جو انھوں نے اپنے بیٹے کو لکھا تھا، جسے رالف رسل نے ترجمہ کیا (رسل، ۲۰۰۳ء، ص ۴۹۲-۴۹۶)۔

۴ سلطان جہاں بیگم نے صرف اس موضوع کا احاطہ کرنے کے لیے اپنی ایک کتاب ''عفت المسلمات'' (۱۹۱۸ء) تحریر کی جس کا ترجمہ "Al-Hijab or Why Purdah is Necessary" (۱۹۲۲ء) کے عنوان سے تحریر کیا گیا۔ بیگم صاحبہ اپنی ریاست کے انتظامات بھی پردہ کا مکمل اہتمام کرتے ہوئے چلایا کرتی تھیں، حتیٰ کہ ۱۹۱۱ء میں جب وہ لندن کے سفر پر تشریف لے گئیں تب بھی مکمل حجاب میں تھیں۔ اصلاحِ خواتین پر کتابیں لکھنے کے علاوہ انھوں نے خواتین کی متعدد انجمنوں کے ابتدائی جلسوں میں بھی حصہ لیا (یہ جلسے بھی پردہ کے اہتمام کے ساتھ منعقد کیے جاتے تھے) تاہم انھوں نے ۱۹۲۰ء کے اواخر میں، جو ان کی زندگی کا آخری دور تھا، پردہ کا اہتمام نہ کرنے اور اسے ترک کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ملاحظہ کریں: لمبرٹ-ہرلے، ۲۰۰۷ء۔

۵ ہفتہ وار ''تہذیبِ نسواں'' مشہور اصلاح پسند جوڑے سید ممتاز علی (۱۹۳۵ء-۱۸۶۰ء) اور محمدی بیگم نے ۱۸۹۸ء میں لاہور سے جاری کیا جو اس رسالے کی ایڈیٹر کے منصب پر فائز تھیں۔ اس رسالے کے قیام کے چار سال مکمل ہونے پر اس کے باقاعدہ خریداروں کی کل تعداد چار سو تھی۔ محمدی بیگم کی کم عمری میں وفات کے بعد ایڈیٹر کا منصب اسی خاندان میں گردش کرتا رہا، پہلے ان کی بیٹی اور پھر ان کی پوتی کو یہ منصب ملا (مینالٹ، ۱۹۹۸ء، ص ۱۱۱-۱۱۴)۔

۶ ملاحظہ کریں: شرر ۱۸۹۸ء، ص ۲-۳۴۔ صفحات کی محدود تعداد کی وجہ سے پردہ کے متعلق شرر کے خیالات و نظریات اس بحث کا حصہ نہیں ہیں۔ شرر کے تحریر کردہ دو ناولوں ''بدر النساء کی مصیبت'' اور ''آغا صادق

کی شادی'' میں پردہ کی مخالفت میں پیغامات موجود تھے۔ پہلا مذکورہ ناول بعد میں ''معلّم نسواں'' میں مکمل ہوا (مینالٹ، ۱۹۹۸ء-الف، ص ۱۰۹)۔

۷۔ ملاحظہ کریں: مینالٹ ۱۹۸۶ء، ص ۱۲۲-۱۱۰۔ قریب ۱۹۱۴ء میں ''تہذیبِ نسواں'' میں پردہ کی مخالفت میں پہلا مضمون شائع ہوا جسے رسالے کے ایک باقاعدہ خریدار نے تحریر کیا تھا۔ ملاحظہ کریں: تصنیف مذکورہ، ص ۱۲۲۔

۸۔ ملاحظہ کریں: بدر الدین کی سوانح عمری جسے ان کے بیٹے نے تحریر کیا (تیاب جی، ۱۹۵۲ء، ص ۳۳۱)۔ طیب جی

۹۔ ملاحظہ کریں: پاول، ۲۰۰۶، ص ۲۹۷۔ زیرِ نظر مقالہ کا حاشیہ ۳۹ ملاحظہ کریں۔ پردہ کے مخالف افراد کی یہ مختصر فہرست مکمل نہیں سمجھی جا سکتی۔ ''معلّمِ نسواں'' میں زیادہ تر ان افراد کے خیالات شائع ہوتے تھے جو پردہ کی مخالفت میں قدرے کم شہرت کے حامل تھے۔ مصنفہ نے اس بات کی امید ظاہر کی ہے کہ وہ مستقبل میں ان مضمون نگاروں کا تحقیقی مطالعہ پیش کر سکیں گی۔

۱۰۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ کمیٹی جسے آندھرا پردیش میں تحریکِ آزادی کی تاریخ مرتب کرنے کی غرض سے قائم کیا گیا تھا (مصنفہ اب اسے اختصار کے ساتھ "APSC" لکھیں گی)، کے مطابق ''معلّمِ نسواں'' ۱۸۹۲ء میں جاری ہوا (APSC، ۱۹۵۶ء، ص ۱۷۰) جبکہ گایل مینالٹ کے مطابق اس کی اشاعت ۱۸۸۰ء کے اواخر میں شروع ہو چکی تھی (مینالٹ، ۱۹۹۸ء-الف، ص ۱۰۷)۔

۱۱۔ زیرِ نظر مقالہ کی بنیاد ''معلّمِ نسواں'' کے ان شماروں کی تحقیق پر قائم ہے جو مصنفہ کو مطالعے کے لیے پہلی مرتبہ میسّر آئے۔ مجموعی طور پر مصنفہ نے گیارہ شماروں کا مطالعہ کیا جس میں انھیں پردہ کے متعلق گیارہ مضامین مل سکے۔ تین شمارے ایسے تھے جن میں ہر ایک میں دو مضامین شامل تھے جبکہ بقیہ پانچ شماروں میں ہر شمارے میں ایک مضمون شامل تھا۔ مصنفہ نے ان میں سے آٹھ مضامین کو زیرِ بحث لانے کے لیے منتخب کیا اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مضمون نگاروں اور موضوعاتی اعتراضات کو شاملِ بحث کیا جائے۔ جن شماروں کا انھوں نے انتخاب کیا ہے، ان کی مکمل تعداد ایک انڈین ویب سائٹ: ''http://dli.iiit.ac.in/'' کی ڈیجیٹل لائبریری میں مطالعے کے لیے دستیاب ہے۔

۱۲۔ مصنفہ کو ان کی سوانح عمری کے جو نایاب ماخذات دستیاب ہو سکے، اس میں محبّ حسین کی تعلیم و تربیت سے متعلق کوئی تفصیلات موجود نہ تھیں۔ لہٰذا صرف چند مفروضات ہی اس ضمن میں قیاس کی جا سکتی ہیں۔ محبّ حسین کی انگریزی میں مہارت کہ انھوں نے انگریزی کی متعدد کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا (صابری، ۱۹۷۴ء، ص ۲۲۳)، کسی نو آبادیاتی درس گاہ سے سند حاصل کرنے کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ پردہ کے

متعلق ان کے دینی نوعیت کے مضامین اور یہ حقیقت کہ وہ کبھی کبھار مولوی محبّ حسین کے نام سے بھی لکھا کرتے تھے، اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہے انھوں نے مستند دینی تعلیم بھی حاصل کی۔

۱۳ احمد، ۱۹۶۹ء، ص ۴۸۰ اور ص ۴۸۵۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ الافغانی کے حیدر آباد میں عارضی قیام کے دوران محبّ حسین بھی میزبانوں کی فہرست میں شامل ہوتے تھے۔ ان معلومات اور دیگر متعدد معلومات کو فراہم کرنے پر مصنفہ، پروفیسر ڈاکٹر معین الدین عقیل، صدر شعبۂ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد کی شکر گزار ہے (مراسلت: ۲۷ اگست ۲۰۰۹ء)۔

۱۴ ۱۸۹۸ء میں سرسید احمد خان کی وفات کے بعد محسن الملک نے ان کی جگہ مسلم اینگلو اورینٹل کالج، علی گڑھ کے اعزازی سیکریٹری کا عہدہ سنبھالا۔ APSC کے مطابق ''معلّم شفیق'' میں بھی محبّ حسین نے اپنے نو آبادیاتی نظام مخالف نظریات شائع کیے اور واضح طور پر خود کو انڈین نیشنل کانگریس کو حمایتی لکھا (APSC، ۱۹۵۶ء، ص ۱۷۳)۔

۱۵ حسین، ۱۹۰۰ء، ص ۱۲-۱۳۔ محبّ حسین کے ہم عصر مصنف ہمایوں مرزا کی رائے کے مطابق محبّ حسین نے یہ مضمون بعنوان ''پردہ سے تو اقفال اچھا ہے'' ان کے چند مخالفین کی جانب سے شدید تنقید اور ان کو کافر قرار دینے کے بعد شدید غصے اور طیش کے عالم میں شائع کیا تھا۔ (ہمایوں مرزا، ۱۹۳۹ء، ص ۲۷۸)۔ لوزیا ساورے اس مضمون کو شاملِ بحث نہیں کرنا چاہتی ہیں کیوں کہ یہ ان کے تجزیاتی مطالعہ کے لیے منتخب کردہ مضامین میں شامل نہیں ہے۔ تاہم وہ لکھتی ہیں کہ وہ اس بات کا ذکر کرنا چاہیں گی کہ اس مضمون میں افریقہ کے کچھ علاقوں کی جاہلانہ رسومات کا تفصیلی ذکر بھی شامل ہے اور قدیم دور کے روم میں لونڈیوں کے ساتھ جنسی برتاؤ کے ظالمانہ فعل کا مختصراً حال بیان بھی موجود ہے۔ (حسین، ۱۹۰۰ء، ص ۱۲)۔

۱۶ ''معلّمِ نسواں'' کے اوّلین اندرونی صفحات: ۵،۱۰ (۱۸۹۶ء)؛ ۵،۱۱ (۱۸۹۷ء) اور ۱،۱۴ (۱۹۰۰ء) ملاحظہ کریں۔ یہ مضامین دراصل دیگر جرائد میں شائع ہونے والی خبروں پر مشتمل ہوتے تھے جو ''معلّمِ نسواں'' میں دوبارہ شائع کی جاتی تھیں (اور جہاں ضرورت ہوتی وہاں ایڈیٹر کے قلم سے ان خبروں کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوتا تھا)۔ مذکورہ بالا اوّلین صفحات میں ان مضامین کے ماخذات کو وضاحت سے تحریر نہیں کیا جاتا تھا، محض ''منقول'' لکھ کر ظاہر کر دیا جاتا تھا۔

۱۷ ''معلّمِ نسواں'' ۸،۱۲ (۱۸۹۵ء) اور ۱،۱۴ (۱۹۰۰ء) ملاحظہ کریں۔

۱۸ ''معلّمِ نسواں'' ۵،۱۰ (۱۸۹۶ء) اور ۱،۱۱ (۱۸۹۷ء) کے اوّلین اندرونی صفحات ملاحظہ کریں۔ پہلا مضمون محبّ حسین نے ترجمہ کر کے لکھا جب کہ دوسرا انھوں نے خود تحریر کیا۔

۱۹ الطاف حسین حالی، ناول ''مجالسِ نسواں'' کے مصنف ہیں جو خواتین کے لیے ایک اصلاحی اور اخلاقی ناول

ہے۔ ملاحظہ کریں: مینالٹ ۱۹۸۶ء۔

۲۰ اگرچہ ''عصمت'' میں گھر داری سے متعلق بحث ومضامین کا سلسلہ رسالے کے مرد ایڈیٹر راشد الخیری نے شروع کیا تھا۔ رسالے کے ابتدائی شماروں میں انھوں نے گھر داری کے موضوع پر خود ہی چند مضامین تحریر کیے اور خواتین کی ہمت افزائی کے لیے کہ قارئین خواتین خود اپنے مضامین تحریر کر کے رسالے کی اشاعت میں حصہ لیں، وہ مضامین خواتین کے فرضی ناموں سے شائع کیے (مینالٹ ۱۹۹۸ء، ص ۱۳۶-۱۳۷)۔

۲۱ شبلی نعمانی جو ایک مذہبی عالم، عربی دان اور تاریخ دان تھے، انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز کے علما میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے پہلے پہل علی گڑھ کالج میں بطور فارسی اور عربی استاد خدمات سرانجام دیں اور اس کے بعد ایک قدرے روایتی مشرقی درس گاہ، ندوۃ العلما (لکھنؤ) میں منتقلی اختیار کی۔ بعد میں اگرچہ انھوں نے خود کو اس درس گاہ کے معاملات سے کنارہ کش کر کے اپنی ایک ذاتی علمی درس گاہ محض ادب کی ترویج وترقی کے لیے قائم کی۔

۲۲ مصنفہ ان دو مضمون نگاروں کے حالاتِ زندگی سے متعلق معلومات اب تک دریافت نہیں کر سکی ہیں۔

۲۳ چوں کہ کسی بھی قسم کی درجہ بندی ایسی نہیں ہوتی کہ وہ ہر پہلو کا مکمل احاطہ کر سکے اور بہت سادہ اور مطالعاتی نقطۂ نظر سے الجھنوں اور پیچیدگیوں سے پاک ہو، لہٰذا ایک ہی مضمون موضوعاتی لحاظ سے دو مختلف درجوں میں جگہ بنالیتا ہے اور یوں ایک ہی مضمون کو دو مختلف عنوانات کے ذیل میں تجزیاتی مطالعہ کے دائرے میں لایا گیا ہے۔

۲۴ حسین، ۱۸۹۴ء الف، ص ۳۲-۳۷؛ عباسی چڑیا کوٹی، ۱۸۹۶ء، ص ۳-۴۔ دونوں متون ان طویل دینی مضامین کے سلسلے کی کڑی ہیں جو رسالہ کے آخری شماروں میں شائع ہوئے۔

۲۵ ''پردہ'' فارسی زبان کا لفظ ہونے کے باعث قرآن میں موجود نہیں ہے۔

۲۶ ''مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے (اور) جو کام یہ کرتے ہیں، اللہ ان سے خوب خبردار ہے۔ اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش (یعنی زیور کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں لیکن جو اس میں سے کھلا رہتا ہے۔ اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا نیز ان خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں (غرض ان لوگوں کے سوا) کسی پر اپنی زینت (اور سنگار کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں۔ اور اپنے پاؤں

(ایسے طور سے زمین پر) نہ ماریں کہ (جھنکار کانوں میں پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے اور مومنو! سب اللہ کے آگے توبہ کرو تا کہ فلاح پاؤ۔'' (سورۃ النور ۲۴، آیات ۳۰-۳۱) (حلیم ۲۰۱۰)

۲۷ حسین، ۱۸۹۴ء الف، ص ۳۴۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی مصنف نے ہی کیا ہے۔

۲۸ اس ضمن میں یہ حدیث اکثر حوالے کے طور پر بیان کی جاتی ہے۔ دیگر تشریحات کے علاوہ ایک تشریح جس کے مطابق حضور ﷺ نے چہرے اور ہاتھوں کی جانب اشارہ کیا، کو مشہور مفسر محمد بن الطبری کی حمایت حاصل ہے۔

۲۹ خیال، ۱۸۹۵ء ب، ص ۲۶-۳۰۔ دراصل اس مضمون کا دوسرا حصہ موضوعاتی لحاظ سے باحیا لباس پہننے کے مسئلے کے گرد گھومتا ہے۔ اس کا پہلا حصہ طنزیہ اسلوب کا حامل ہے اور اسی وجہ سے اسے زیرِ نظر مقالہ کے اگلے حصہ میں زیرِ بحث لایا جائے گا۔

۳۰ خیال ۱۸۹۵ء الف، ص ۱۸-۲۳۔ مارگریٹ پرناؤ نے اس مضمون کا مختصراً فنی تجزیہ کیا ہے (پرناؤ، ۲۰۰۲، ص ۴۴) جن کے خیال کے مطابق محبّ حسین ہی اس مقالہ کے مصنف کے فرضی نام کے پیچھے موجود ہیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ بنیادی موقف اور نظریات کو پیش کرنے کے لیے محبّ حسین اس فرضی نام سے تحریر کرتے ہوں۔ یہاں پر مصنفہ اس بات کو تصفیہ طلب مسئلہ سمجھتے ہوئے مزید کسی بحث سے گریز کرتی ہیں اور اسے ناقابلِ شناخت مصنف کے فرضی نام ''آزاد خیال'' ہی سے منسوب کرتی ہیں۔ انھی موخرالذکر مصنف نے لندن سے ایک سفرنامہ بھی لکھا تھا (خیال، معلّمِ نسواں، ۸، ۱۲، ۱۸۹۵ء، ص ۲۷-۲۸)۔

۳۱ خیال، ۱۸۹۵ء ب، ص ۳۰؛ ۱۹۔ گھریلو سطح پر نظر بند خواتین کے گھریلو لباس پر لکھے جانے والے تنقیدی مضامین جو سماجی زندگی میں خواتین کو ان کا کردار ادا کرنے سے روکنے کی غرض سے تحریر کیے گئے نظر آتے ہیں، بنگال کے اصلاح پسند ہندوؤں کے نوکِ قلم سے بھی تحریر کیے گئے۔ ملاحظہ کریں: بورتھک، ۲۰۰۴ء۔

۳۲ ''پردہ کا حامی''، ۱۸۹۶ء، ص ۲۷-۲۸، اس مضمون کی جانب گائل مینالٹ نے توجہ دلائی ہے (مینالٹ، ۱۹۹۸ء، ص ۱۰۸)۔

۳۳ مصنفہ نے اس بات کو خارج از امکان نہیں کیا ہے کہ کوئی خاتون بھی اس مضمون کی مصنفہ ہوسکتی ہے۔

۳۴ یہ افسانہ پہلے پہل ۱۹۰۵ء میں مدراس سے نکلنے والے رسالے *Indian Ladies' Magazine* میں شائع ہوا اور ۱۹۰۸ء میں یہ کتابی شکل میں شائع ہوا۔ ملاحظہ کریں: سخاوت حسین، ۱۹۹۹ء۔

۳۵ مرزا، ۱۸۹۵ء، ص ۶-۱۳۔

۳۶ مرزا، ۱۸۹۵ء، ص ۱۰۔ محبّ حسین کی پیروی کرتے ہوئے عزیز مرزا نے بھی لفظ ''پردہ'' کا استعمال ترک نہیں کیا بلکہ اسے نئے معنی دینے کی کوشش کی۔

۳۷ لفظ ''نقاب'' صرف چہرہ چھپانے کے مفہوم میں ہے جو دورِ حاضر میں صرف ناک اور چہرے کا نچلا حصہ ڈھانکنے لیکن آنکھیں نہیں ڈھانکنے سے مراد لیا جاتا ہے (گویندی، ۲۰۱۰ء)۔

۳۸ توارگ کے باشندے جس خطے میں موجود ہیں وہ دورِ حاضر کی ریاستوں الجیریا، مالی اور نائجر پر مشتمل ہے۔ عزیز مرزا کی پیش کردہ ارضیاتی نشان دہی کے مطابق یہ باشندے جنوبی مراکش میں آباد ہیں (مرزا، ۱۸۹۵ء، ص ۱۱)۔

۳۹ مرزا، ۱۸۹۵ء، ص ۱۱-۱۷۔ اس اقتباس کی رو سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے اس حقیقت کی جانب اشارہ کیا ہے کہ ہندوستانی معاشرے میں کسی گھرانہ یا خاندان کے لیے عزت وتکریم کے ضمن میں خواتین کا برتاؤ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

۴۰ شبلی نعمانی، ۱۹۰۰ء، ص ۳۸۔ یہ مضمون دراصل ایک بڑے مضمون کا حصہ ہے جس کا عنوان ''پردہ اور اسلام'' تھا جس میں شبلی نے سید امیر علی کے مردہ سے متعلق بیانات سے اختلاف کیا ہے (شبلی نعمانی، ۱۹۵۴ء، ص ۱۰۳-۱۲۰)۔ موخرالذکر شخصیت نے اس نظریہ کا پرچار جاری رکھا کہ دورِ حاضر میں پردہ جس شکل میں موجود ہے وہ قرآن کے احکامات کے مطابق نہیں اور یہ کہ پردہ کی اس روایت کی تاریخ منگولوں کے حملہ سے قبل یعنی تیرھویں صدی عیسوی کے دور کی ہے (پاول، ۲۰۰۶، ص ۲۹۶)۔ ''پردہ اور اسلام'' میں شبلی نے اسلام سے قبل کے عرب معاشرے سے لے کر اسلام کے ابتدائی عرصہ تک پردہ کے تاریخی ارتقا سے متعلق اپنی تشریح پیش کرتے ہوئے امیر علی کے نظریہ سے اختلاف کیا ہے۔ ''معلّمِ نسواں'' میں شائع ہونے والا یہ مضمون صرف اسلام سے قبل کے عرب معاشرے کا احاطہ کرتا ہے۔

۴۱ مضمون نگار کی انگریزی لفظ natural کی یہ اردو سازی ہے۔

۴۲ شبلی نعمانی، ۱۹۰۰ء، ص ۳۹-۴۰۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ شبلی نے نقاب کی دیگر اقسام کا ذکر نہیں کیا یعنی جسم اور سر کے بالوں کو چھپانا جب کہ چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھنا، جسے محبّ حسین اور عباسی چڑیا کوٹی نے اصلی اور اسلامی طرز کے پردہ کی واحد شکل ہونے کا دعویٰ کیا۔

۴۳ شبلی نے قبیلہ ''خمیر'' میں نقاب پہننے کے رواج کے آغاز سے متعلق ایک قصہ بھی حوالے کے طور پر شامل کیا۔ ایک مرتبہ قبیلہ ''خمیر'' کے مردوں نے اپنے دشمنوں کو حیران کرنے کے لیے جوان کے گاؤں میں لوٹ مار کا بازار گرم کرنا چاہتے تھے، عورتوں جیسا بھیس بدلا (یعنی خود کو مکمل طور پر نقاب میں چھپا لیا) اور اپنے گھروں میں چھپ گئے۔ چوں کہ اس طرح بھیس بدلنے سے انھیں عظیم فتح حاصل ہوئی تھی، لہٰذا وہ اس واقعہ کی یاد تازہ کرنے کے لیے خود کو نقاب میں چھپا لیا کرتے تھے۔ اس بیان میں یہ بات پہلے سے فرض کر لی گئی ہے کہ ''خمیر'' کی خواتین اس واقعہ سے قبل نقاب پہنا کرتی تھیں۔ شبلی نعمانی، ۱۹۰۰ء، ص ۴۰

۴۴ ''الـخـنسـه'' سترھویں صدی کی عرب شاعرہ تھی جو اپنے حزنیہ گیتوں کی وجہ سے مشہور ہے جو اس نے اپنے بھائی ''صـخـر'' کے لیے لکھے تھے جو ایک جنگ میں مارا گیا تھا۔ ملاحظہ کریں: مالٹی ڈوگلس و دیگر، ۲۰۰۴ء۔

۴۵ ''مقالاتِ شبلی'' - دارالمطبِ معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۵۴ء کے مجموعۂ مضامین میں ''پردہ اور اسلام'' کی تاریخِ اشاعت درج نہیں کی گئی ہے۔ جیسا کہ مضمون نگار نے خود بھی واضح کیا کہ یہ مضمون دراصل اس تحریر کا جواب ہے جسے سید امیر علی نے ۱۸۹۹ء میں "Nineteenth Century" نامی جریدے میں شائع کیا (شبلی نعمانی، ۱۹۵۴ء، ص ۱۰۳)۔ شبلی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے لکھا کہ ان کے مضمون کا پہلا آدھا حصہ (وہ حصہ جو اسلام سے قبل کے عرب معاشرے سے متعلق ہے) کچھ عرصہ پہلے لکھ لیا گیا تھا (شبلی نعمانی، ۱۹۵۴ء، ص ۱۰۴)، لہٰذا بہت ممکن ہے کہ ''معلّمِ نسواں'' نے ''پردہ اور اسلام'' کی مکمل اشاعت سے قبل ہی اس حصہ کو شائع کر دیا۔

۴۶ پرناؤ، ۲۰۰۸ء، ص ۱۹۵-۲۱۶ میں اس پہلو پر بحث کی گئی ہے۔

فہرست اسنادِ محولہ:

آندھرا پردیش اسٹیٹ کمیٹی' قائم شدہ برائے ترتیب و تدوین آندھرا پردیش میں تاریخِ تحریکِ آزادی، *Freedom Struggle in Hyderabad. A Connected Account*، ۳، حیدرآباد۔

احمد، عزیز، ۱۹۶۹ء، *Afghani's India Contacts*، مشمولہ 'Journal of the American Oriental Society'، ۸۹، ۳، ص ۴۴۶-۵۰۴۔

احمد، نذیر، *The Bride's Mirror. A Tale of Life in Delhi a Hundred Years Ago*، انگریزی مترجم G.E. Ward، نئی دہلی: Permanent Black (اولین اشاعت ۱۹۰۳ء)۔

انصاری، ن، م، مراتب، ۱۹۹۷ء، ''شبلی، مکاتیب کی روشنی میں''، کراچی، اکیڈمی سندھ۔

بیگمِ بھوپال، س، ج، ۱۹۲۲ء، *Al Hijab or Why Purdah is Necessary*، کلکتہ، تھا کر اسپنک اینڈ کو۔

بورتھک، م، ۲۰۰۴ء، *Dress Reform and Ideas of Modesty*، مشمولہ: *Purdah. An Anthology*، یونائس ڈی سوزا (مراتب)، آکسفرڈ: آکسفرڈ یونیورسٹی پریس ص ۱۵۶-۱۶۵۔

گوینڈی، ف؛ ظہور، س، ''حجاب''، مشمولہ *The Oxford Encyclopedia of the Islamic World. Oxford Islamic Studies Online*, http://www.oxfordislamicstudies.com. ubproxy.ub.uni-heidelberg.de/article/opr/t236/e0306 (تاریخِ رسائی ۲رجون

۲۰۱۰ء)۔

الحلیم، عبدل؛ M.A.S.، ترجمہ: *Light, in the Qura'n. Oxford Islamic Studies Online,* http://www.oxfordislamicstudies.com.ubproxy.ub.uni-heidelberg.de/article/book/islam-9780192831934/islam-9780192831934-chapter-24?astart=22&asize=20 (تاریخ رسائی ۵/اپریل ۲۰۱۰ء)۔

ہمایوں مرزا، س، ۱۹۳۹ء، ''میری کہانی میری زبانی''، حیدر آباد، نجی اشاعت۔

خان، ج، ا، ۲۰۰۴ء، ''محمد شبلی نعمانی''، اعظم گڑھ، یو پی، دار المصنفین شبلی اکیڈی۔

لمبرٹ - ہرلے، سی بوہن، ۲۰۰۷ء، *Muslim Women, Reform and Princely Patronage. Nawab Sultan Jahan Begam of Bhopal*، لندن، راؤٹلیج۔

مالٹی-ڈوگلس، ایف؛ اسٹیورٹ، ڈ، ج؛ اور کوک، م، ۲۰۰۴ء، *Arabic Literature in The Oxford Encyclopedia of the Islamic World. Oxford Islamic Studies Online,* ۸/اپریل ۲۰۱۰ء، <http://www.oxfordislamicstudies.com.ubproxy.ub.uni-heidelberg.de/article/opr/t236/e0069>۔

مینالٹ، گ، ۱۹۸۴ء، *Begamati Zuban: Women's Language and Culture in Nineteenth Century Delhi*، مشمولہ 'Indian International Center Quarterly'، ۱۱، ۲، ص ۱-۲۱۔

مینالٹ، گ، ۱۹۸۶ء، *Voices of Silence: English Translation of Altaf Hussain Hali's Majalis un-Nissa and Chup ki Dad*، دہلی، چانکیہ۔

مینالٹ، گ، ۱۹۸۸ء، *Urdu Women's Magazines in the Early Twentieth Century*، مشمولہ 'Manushi'، ۴۸، ص ۲-۹۔

مینالٹ، گ، ۱۹۸۹ء، *Ismat: Rashidul Khairi's Novel and Urdu Literary Journalism for Women*، مشمولہ *Urdu and Muslim South Asia*، کرسٹوفر شیکل (مراتب)، لندن اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز، ص ۱۲۹-۱۳۶۔

منکاف، ب، ۱۹۹۰ء، *Prefecting Women. Maulana Ashraf Ali Thanawi's Bihishti Zevar. A Partial Translation with Commentary*، برکلے، یونیورسٹی آف کیلی فورنیا پریس۔

مینالٹ، گ، ۱۹۹۲ء، *Syed Mumtaz Ali and Tahzib un-nisvan: Women's Rights in*

Religious Controversy in مشمولہ، *Islam and Women's Journalism in Urdu British India*، ڈبلیو جونس (مراتب)، البانے نیویارک، اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس، ص ۱۷۹-۱۹۹۔

مینالٹ، گ، ۱۹۹۸ء الف، *Secluded Scholars. Women's Education and Muslim Social Reform in Colonial India*، دہلی، آکسفرڈ یونی ورسٹی پریس۔

مینالٹ، گ، ۱۹۹۸ء ب، *Women's Magazines in Urdu as Sources for Muslim Social History*، مشمولہ 'Indian Journal of Gender Studies'، ۵، ص ۲۰۱-۲۱۴۔

پاپانک، ایچ، ۱۹۷۳ء، *Purdah: Separate Worlds and Symbolic Shelter*، مشمولہ 'Comparative Studies in Society and History'، ۱۵، ۳، ص ۲۸۹-۳۲۵۔

پرناؤ، ایم، ۲۰۰۲ء، *Female Voices: Women Writers in Hyderabad at the Beginning of the Twentieth Century*، مشمولہ 'Annual of Urdu Studies'، ۱۷، ص ۳۹-۵۴۔

پرناؤ، ایم، ۲۰۰۸ء، *Bu'rger mit Turban. Muslim in Delhi im 19. Jahrhundert*، گوٹنگن (جرمنی)، وینڈن ہاک اینڈ روپرش پبلشرز۔

پاول، اے۔اے، ۲۰۰۶ء، *Islamic Modernism and Women's Status. The Influence of Syed Ameer Ali* مشمولہ *Rheotric and Reality. Gender and the Colonial Experience in South Asia*، ایورل اے-پاول؛ سی بوہن لمبرٹ-ہرلے (مراتبین)، نئی دہلی، آکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ص ۲۸۲-۳۱۷۔

رسل، رالف، ۲۰۰۳ء، *Nazir Ahmad's Letter to His Son*، مشمولہ 'Annual of Urdu Studies'، ۱۸، ص ۴۹۲-۵۰۰۔

صابری، الف، ۷۴-۱۹۶۷ء، ''تاریخ صحافتِ اردو، جلد سوم، دہلی، صابری اکیڈمی، ص ۲۲۳۔

سخاوت حسین، ر، ۱۹۹۹ء، *Sultana's Dream, a Feminist Utopia, and Selections from The Secluded Ones*، روشن جہاں (مترجم و مراتب)، نیو یارک، Feminist Press بمقام سٹی یونی ورسٹی آف نیو یارک۔

شبلی نعمانی، م، ۱۹۵۴ء، ''مقالاتِ شبلی''، اعظم گڑھ، دار المطبعِ معارف، ص ۱۰۳-۱۲۰۔

تیاب جی، ایچ۔بی، ۱۹۵۲ء، *Badruddin Tyabji. A Biography*، بمبئی (موجودہ ممبئی)، تھاکر اینڈ کمپنی۔

''معلّمِ نسواں'' کے مضامین اور ابتدائی صفحات:

عباسی چڑیا کوٹی، الف، ۱۸۹۶ء، ''چہرہ اور ہاتھ داخلِ ستر نہیں''، مشمولہ ''معلّمِ نسواں''، ۱۰، ۵، ص ۳-۴۔
خیال، اے، ۱۸۹۵ء الف، ''ہماری عورتوں کا لباس''، مشمولہ ''معلّمِ نسواں''، ۸، ۹، ص ۱۸-۲۳۔
خیال، اے، ۱۸۹۵ء ب، ''پردہ اور اس کے نتائج''، مشمولہ ''معلّمِ نسواں''، ۸، ۹، ص ۲۶-۳۰۔
حسین، م، ۱۸۹۴ء الف، ''موجودہ پردہ شرعی پردہ نہیں''، مشمولہ ''معلّمِ نسواں'' ۸، ۲، ص ۳۲-۳۷۔
حسین، م، ۱۸۹۴ء ب، ''پردہ کی نسبت ایک میاں بیوی کی گفتگو''، مشمولہ ''معلّمِ نسواں'' ۸، ۳، ص ۵-۸۔
حسین، م، ۱۹۰۰ء، ''پردہ سے تو اقفال اچھا ہے''، مشمولہ ''معلّمِ نسواں'' ۱۳، ۱۰، ص ۱۲-۱۳۔
مرزا، ع، ۱۸۹۵ء، ''ایک بے پردہ مسلمان قوم''، مشمولہ ''معلّمِ نسواں'' ۸، ۱۱، ص ۶-۱۳۔
پردہ کا حامی، ۱۸۹۶ء، مرد پردہ میں کیوں نہ بیٹھیں؟''، مشمولہ ''معلّمِ نسواں'' ۱۰، ۲، ص ۲۷-۲۸۔
شرر، ع۔ح، ۱۸۹۷ء، ''پردہ کی مسرتیں''، مشمولہ ''معلّمِ نسواں'' ۱۱، ۲، ص ۲-۳۴۔
شبلی نعمانی، م، ۱۹۰۰ء، ''پردہ کی تاریخ''، مشمولہ ''معلّمِ نسواں'' ۱۴، ۱، ص ۳۸-۴۷۔
''معلّمِ نسواں'' ۸، ۱۲، ۱۸۹۵ء کا ابتدائی صفحہ۔
''معلّمِ نسواں'' ۱۰، ۵، ۱۸۹۶ء کا ابتدائی صفحہ۔
''معلّمِ نسواں'' ۱۱، ۱، ۱۸۹۷ء کا ابتدائی صفحہ۔
''معلّمِ نسواں'' ۱۱، ۵، ۱۸۹۷ء کا ابتدائی صفحہ۔
''معلّمِ نسواں'' ۱۴، ۱، ۱۹۰۰ء کا ابتدائی صفحہ۔